بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی بینکنگ : حضراتِ مجوزین ومانعین کے کلام کا خلاصہ

پس منظر: کنونشنل بینکنگ کا سارا سسٹم سود پر مبنی ہے۔اسے اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی کوششوں کا آغاز بہت پہلے سے ہے۔ ۱۹۷۷ء میں جب اسلامی نظریاتی کونسل قائم ہوئی تو اس کے ذمے سر فہرست یہ کام تھا کہ بینکوں کو سود سے پاک کرنے کے لیے کام کیا جائے۔حضرت مولانا یوسف بنوری بھی اس کے رکن تھے۔اور حضرت مفتی تقی بھی اور دوسرے حضرات بھی۔ حضرت بنوری جلد ہی وفات پاگئے اوران کی جگہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی تشریف لائے۔اسلامی نظریاتی کونسل نے بینکوں کو سود سے پاک کرنے کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کی۔حکومت نے اس رپورٹ میں تحریف کرکے اسے نافذ کیا۔اس پر حکومت سے احتجاج ہوا۔حکومت نے کہا آپ ترمیمات دیں تو اس نظام کو صحیح راستے پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔

اس پر "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" نے ۱۴۱۲ھ میں اپنی تجاویز دیں۔یہ تجاویز احسن الفتاوی: ۷/ ۱۱۲ – ۱۳۰ پر" بلاسود بینکاری" نامے رسالے کی شکل میں مطبوع ہیں۔لیکن حکومتی سطح پر ان پر تجاویز پر عملدرامد نہیں ہوا اور بینک سابقہ روش پر چلتے رہے۔(مأخذہ: اسلامی بینکاری: ص۱۷ – ۱۹) جس اجلاس میں یہ تجاویز دی گئیں تھیں اس میں ۱۹ علماء کرام شریک تھے۔جن میں حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی، حضرت مفتی عبد الشکور ترمذی، حضرت مفتی محمد وجیہ، حضرت مفتی محمد رفیع، حضرت مفتی محمد تقی، ڈاکٹر مفتی عبد الواحد وغیرہ حضرات شامل تھے۔ڈاکٹر مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ نے کچھ اشکالات بھی پیش فرمائے جو اس رسالے میں مطبوع ہیں۔

پھر عرب ممالک میں غیر سودی بینکوں کے قیام کی تحریک نے زور پکڑا۔ان کے طریق کار کے بارے میں مجمع الفقہ الاسلامی، جدہ کے اجلاسات میں غور ہوتا رہا۔ان میں بھی بنیادی طور پر وہی موقف اختیار کیا گیا جو مجلس تحقیق مسائل حاضرہ نے اپنی مذکورہ بالا تحریر میں اختیار کیا تھا۔ان کی تائید میں مجمع کے مجلہ میں مفصل مقالات شائع ہوچکے ہیں۔دوسری طرف مجمع الفقہ الاسلامی، انڈیا کے اجلاسات میں بھی یہ موضوعات زیر بحث آئے۔المجلس الشرعی (ایوفی، بحرین) کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا جو ۲۰ علماء پر مشتمل ہے۔اس ادارے نے غیر سودی بینکوں سے متعلق متعین معاییر تیار کرنے کا کام اپنے ذمے لیا۔اور اجتماعی مشاورت اور مباحثے سے یہ کام ہوا اور اب تک تقریبا ۳۰ معاییر تیار ہوچکے ہیں۔اس طرح اسلامی بینکنگ کے حوالے سے جو کام ہوا ہے وہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی تجاویز، مجمع الفقہ الاسلامی کی قراردادوں، اور المجلس الشرعی کے معاییر کی روشنی میں ہوا ہے۔(یہ "المعاییر الشرعیۃ" کے نام سے مطبوع ہیں)۔لہذا اس بارے میں یہ سمجھنا درست نہیں کہ یہ سب کسی فرد واحد کی انفرادی آراء کا نتیجہ ہے۔

پھر بھی یقینا اس طریق کار کو غلطیوں سے پاک نہیں کہا جاسکتا۔ اگر کسی غلطی کی نشاندہی ہو جاتی ہے تو اس کے تدارک کی کوشش کی جاتی ہے۔ نیز اب بھی اگر اہل علم کو اس کے طریقے کے بارے میں کوئی اشکال ہو تو یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہے کہ وہ اشکال سامنے آئے اور اس پر فقہی نقطہ نظر سے غور کیا جائے۔ (اسلامی بینکاری: ص۷۳ – ۷۵ ملخصا، نیز دیکھیے: غیر سودی بینکاری: ص۷ – ۹) اسلامی بینکاری کی تاریخ اور تعارف کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: محاضرات معیشت و تجارت: ص۳۶۱ – ۳۹۰، ڈاکٹر محمود احمد غازی، دسواں خطبہ۔

چونکہ اس موضوع پر اشکالات اور جوابات کا سلسلہ قدرے طویل ہو چکا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ دونوں جانب کے کلام کی تلخیص یکجا ذکر کر دی جائے، تاکہ سمجھنا اور غور کرنا آسان ہو جائے۔ اس مضمون کی غرض اصلی، نفس مسئلہ سے متعلق دونوں جانب کے کلام کا جامع خلاصہ ذکر کرنا ہے۔ اگر کسی قول پر کوئی طالبعلمانہ سؤال یا خیال ظاہر کیا جائے تو وہ ضمنا اور تبعا ہے، نہ کہ اصالتا اور قصدا۔ اسی طرح واقعات کا استقصاء یا تنقیح و تحقیق بھی اس مضمون میں مطلوب نہیں۔ کسی جانب جھکاؤ اختیار کیے بغیر خالی الذہن ہو کر دونوں جانب کا کلام نقل کیا گیا ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ تلخیص سے کلام کی غرض نہ بدلے اور کوئی اہم جزنہ چھوٹے۔ اور ہر مقام پر حوالے کا التزام کیا گیا ہے، تاکہ شبہے کے موقع پر اصل کی مراجعت آسان ہو۔ بین القوسین تشریحی اضافات و سؤالات وغیرہ بندہ کی طرف سے ہیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مضمون مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور اسے اپنی رضا کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

محمد طارق محمود

مدرس و معین مفتی جامعہ عبد اللہ بن عمر، لاہور

۸ ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ / ۱۷ جولائی ۲۰۲۳ء

مجوزین کی کتب و رسائل	مانعین کی کتب و رسائل
۱: بلاسود بینکاری: حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ، احسن الفتاوی: ۷ / ۱۱۲ – ۱۳۰	۱: مروجہ اسلامی بینکاری کی چند خرابیاں: ڈاکٹر مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ۔ (اس مجموعہ مضامین میں درج ذیل موضوعات پر کلام ہے: کمپنیوں کی محدود ذمہ داری کی شرعی حیثیت، شیئرز کی خرید و فروخت، بازار حصص، تکافل، کریڈٹ کارڈ، تجارتی انعامی سکیمیں وغیرہ۔ دیکھیے: فقہی مضامین: ص۴۶۴ – ۵۰۱)
۲: اسلام اور جدید معیشت و تجارت: حضرت مفتی محمد تقی عثمانی	۲: ہدیہ جواب: ایضا
۳: غیر سودی بینکاری: ایضا	
۴: اسلامی بینکاری: ایضا	
(حضرات مانعین کی جانب سے ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۸ء میں جو تحریر	

دی گئی اور جو فتوی شائع کیا گیا تھا، اس کے پس منظر میں یہ بیان ہے، جو رسالے کی شکل میں شائع ہوا) ۵: اسلامی بینکاری: ایک حقیقت پسندانہ جائزہ، مولانا ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی 6: Islamic Finance (Revised and Updated Edition of Meezan Bank's Guide to Islamic Banking) : Dr Mohammad Imran Ashraf Usmani. ۷: اسلامی بینکاری کی بنیادیں : **An Introduction to Islamic Finance** کا اردو ترجمہ ہے، جو مولانا زاہد صاحب نے کیا ہے اور حضرت مفتی تقی صاحب کے فرمانے پر شائع ہوا ہے۔	۳: غیر سودی بینکاری: ایک منصفانہ علمی جائزہ، مفتی احمد ممتاز (یہ دونوں رسالے غیر سودی بینکاری کے جواب میں لکھے گئے تھے) ۴: مروجہ اسلامی بینکاری : دار الافتاء دار العلوم بنوری ٹاؤن، کراچی ۵: نام نہاد اسلامی بینکاری : جامعہ احسن العلوم، کراچی ۶: مروجہ اسلامی بینک اور ڈیجیٹل تصویر کی حرمت: مفتی رفیق احمد بالاکوٹی، ماہنامہ بینات جمادی الاخری ۱۴۳۹ھ، ص ۲۵ – ۴۶ ۷: مرابحہ مؤجلہ: مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

بینک کی ماہیت : بینک بنیادی طور پر کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مقصد تجارت، صنعت اور زراعت میں سرمائے کی فراہمی ہوتا ہے۔(فقہی مقالات :۲/ ۲۶۰، ط: ۲۰۱۱ء) بینک ایک ایسے تجارتی ادارے کا نام ہے جو لوگوں کی رقمیں اپنے پاس جمع کر کے تاجروں، صنعتکاروں اور دیگر ضرورت مند افراد کو قرض فراہم کرتا ہے۔ آج کل روایتی بینک ان قرضوں پر سود وصول کرتے ہیں اور امانت داروں کو کم شرح پر سود دیتے ہیں اور سود کا درمیانی فرق بینکوں کا نفع ہوتا ہے۔(اسلام اور جدید معیشت و تجارت :ص ۱۴۰، دروس ۱۴۱۴ھ) بینک سرمایہ جمع کرنے کے بعد کئی وظائف ادا کرتا ہے۔ مثلا تمویل، تخلیق زر، برآمد درامد میں واسطہ بناوغیرہ۔ بینک کا سب سے اہم کام لوگوں کو ان کی ضروریات خصوصا تجارتی ضروریات کے لیے قرضے فراہم کرنا(تمویل Financing) ہوتا ہے۔(مصدر سابق: ص ۱۱۶، ۱۱۷)۔اس سے معلوم ہوا کہ بینک بنیادی طور پر ایک تمویلی ادارہ ہے، نہ کہ تجارتی اور کاروباری ادارہ۔ اس کا اصل کام دوسروں سے سرمایہ لے کر آگے پہنچانا ہے۔

فائنانسنگ کے طریقے: شریعت میں فائنانسنگ کے اصل اور مثالی ذرائع مشارکہ (شرکت) اور مضاربہ ہیں۔ مرابحہ اور اجارہ والے طریقوں پر عموما یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کا آخری نتیجہ سودی قرضے سے مختلف نہیں ہوتا۔ یہ اعتراض ایک حد تک درست بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کے شریعہ ایڈوائزری بورڈز اس نکتے پر متفق ہیں کہ یہ فائنانسنگ کے مثالی طریقے نہیں ہیں۔ اس لیے انھیں صرف ضرورت کے موقع پر استعمال کرنا چاہیے اور وہ بھی شریعت کی طرف سے مقرر کردہ شرائط

کا پورا پورا دھیان رکھتے ہوئے۔۔۔مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلامی طریقہ کار میں ہر فائنانسنگ حقیقی اثاثے وجود میں لاتی ہے۔ حتی کہ یہ بات مرابحہ اور جارہ پر بھی اس حقیقت کے باوجود صادق آتی ہے کہ انھیں فائنانسنگ کا مثالی طریقہ نہیں سمجھا گیا اور ان پر عموما اپنے آخری نتیجہ کے اعتبار سے سودی قرضوں کے قریب ہونے کا اعتراض کیا جاتا ہے۔(اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص۱۸ – ۲۰)

۱: کمپنی کی فقہی ماہیت(Joint Stock Company)

پس منظر: ملکیت کے لحاظ سے کاروبار کی تین قسمیں ہیں: شخصی، شرکت، کمپنی

یورپ میں صنعتی انقلاب رونما ہونے کے بعد سترہویں صدی کے آغاز میں بڑے بڑے کارخانوں وغیرہ کے قائم کرنے کے لیے جب عظیم سرمائے کی ضرورت پڑنے لگی، جس کو کوئی شخص اکیلا یا چند افراد مل کر فراہم نہیں کرسکتے تھے تو اس وقت عام لوگوں کی منتشر بچتیں یکجا کرکے ان سے اجتماعی فائدہ اٹھانے کے لیے کمپنی کا نظام رائج ہوا۔(اسلام اور جدید معیشت و تجارت: ص۶۵،۶۶)

(اس سے معلوم ہوا کہ کمپنی بنیادی طور پر مغربی طرز کا ایک طریق کاروبار ہے، وہاں سے ہمارے ہاں آیا ہے، لیکن صرف اس بناء پر اسے واجب الاحتراز نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ شرعی احکام کی روشنی میں جانچنا چاہیے)۔ بینک بھی بنیادی طور پر جوائنٹ اسٹاک کمپنی ہے ۔(مصدر سابق: ص۱۴۰)

کمپنی معاصر قانون کی نظر میں: کمپنی ایک شخص قانونی ہے، اس کا (اپنے مالکان سے) الگ وجود ہے اور (اس کے) حصہ داران (اور مالکان) کا الگ وجود ہے۔(مصدر سابق: ص۷۵ بتوضیح مابین القوسین)۔ اس (کمپنی) کو شخص قانونی کہتے ہیں، بعض مرتبہ اس کو فرضی شخص بھی کہا جاتا ہے۔(مصدر سابق: ص۷۶) یعنی معاصر قانون کی نظر میں کمپنی کا ایک الگ فرضی وجود ہے، اور اس کے مالکان کا الگ وجود ہے۔ یہاں یہ سؤال اہم ہے کہ معاصر قانون کمپنی کو الگ فرضی وجود کیوں دیتا ہے؟

ایم فارانی کی کتاب Jurisprudence کے حوالے سے ڈاکٹر مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ نے جو عبارات نقل فرمائی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے: قانون میں ہمارا تعلق قانونی اشخاص سے ہوتا ہے۔ چاہے وہ انسان ہوں یا کوئی جماعتیں ہوں یا، کوئی اور چیز جسے قانون حقوق فرائض کے تحمل کی اہلیت دیدے۔ شخص قانونی قانون کی مصنوعی مخلوق ہے۔ یہ ایک آسان قانونی ذریعہ ہے جس سے حقوق وفرائض کے انتظام کا مسئلہ حل کیا جاتا ہے۔ کمپنی شخص قانونی ہونے کی حیثیت سے الگ سے حقوق وفرائض کے وجوب کی اہلیت رکھتی ہے۔(دیکھیے: ماہنامہ انوار مدینہ: جون ۲۰۰۸ء، ص۳۰،۳۱)

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ قانون نے اپنی سہولت کے لیے شخص قانونی کا اعتبار اور تعبیر اختیار کی ہے۔ اور دوسرے یہ معلوم ہوا کہ شخص قانونی کا تصور صرف فرض فارض اور اعتبار معتبر کی حد تک نہیں، بلکہ احکام اور معاملات میں اس کا الگ نتیجہ اور ثمرہ

بھی ہے۔مالکانِ کمپنی کے ذمے سے الگ کرکے اس شخصِ قانونی کا الگ ذمہ سمجھا گیا ہے،جو وجوب لہ وعلیہ سے متصف ہوتا ہے ۔چنانچہ محدود ذمہ داری اسی کا نتیجہ ہے جیسے آگے آتا ہے۔اور دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ (کمپنی کے نظام پر الگ ٹیکس ہوتا ہے،اور شیئر ہولڈرز پر الگ ٹیکس ہوتا ہے۔اسلام اور جدید معیشت و تجارت:ص۹۸)۔معاصر قانون کی نظر میں شخص قانونی کا اہلیتِ وجوب سے متصف ہونا حقیقتاً ہے،نہ کہ مجازاً۔

مجوزین	مانعین
کمپنی میں دو چیزیں شرعی اعتبار سے قابل غور اور باعث تردد ہیں : شخص قانونی اور محدود ذمہ داری۔ان کے بارے میں احقر اپنی اب تک کی سوچ کا حاصل اہل علم کے غور وفکر کے لیے پیش کررہا ہے۔ شخص قانونی کے چار نظائر ہیں: ۱: وقف،۲: بیت المال ،۳: ترکہ مستغرقہ بالدین،۴: خلطۃ الشیوع(ائمہ ثلاثہ کے ہاں)۔ان اشیاء کی طرف حقوق وفرائض کے وجوب کی نسبت ہوتی ہے،اور یہ شخص حقیقی نہیں ہیں،لہذا یہ شخص قانونی ہیں۔اور کمپنی کے شخص قانونی ہونے کا مقیس علیہ بن سکتے ہیں۔ (اسلام اور جدید معیشت و تجارت:ص۹۶ – ۹۸ملخصا) "خلاصہ یہ ہے کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ شخص قانونی کی معنوی حیثیت تسلیم کرنے کے بعد بھی اس پر شخص حقیقی کے احکام کسی صورت میں جاری نہیں ہوسکتے۔حقیقت یہ ہے کہ وہ شخص حقیقی کی طرح دائن اور مدیون بن سکتا ہے"۔(غیر سودی بینکاری : ص۳۳۹) (حضرت کے اس ارشاد میں دو باتیں مجمل ہیں، جن کا بیان ہونا چاہیے:۱: معنوی حیثیت سے مراد وجود حقیقی ہے یا فرضی ؟۔۲: دائن اور مدیون بن سکنا حقیقتاً ہے یا مجازاً؟) نیز دیکھیے: فقہ البیوع: ۱/۱۵۱ – ۱۶۰	اہلیت وجوب صرف انسان میں ہے ،برخلاف باقی سب جانداروں کے،جیسا کہ اصول سرخسی میں تصریح ہے۔وقف اور بیت المال کو بعض ذمہ داریوں کا اہل قرار دینا خلاف قیاس ہے۔اس ضرورت کی بناء پر کہ ان سے منسلک حقوق کا تحفظ ہوسکے۔لہذا یہ مقیس علیہ نہیں بن سکتے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ وقف اور بیت المال کسی انسان کے مملوک نہیں ہوتے ، برخلاف کمپنی کے۔اور بعض دیگر وجوہ سے بھی کمپنی اور ان دونوں میں فرق ہے۔(مروجہ اسلامی بینکاری:ص۱۲۱ – ۱۲۵ ملخصا،نیز دیکھیے: ماہنامہ انوار مدینہ:ص۳۳،۳۴،جولائی ۲۰۰۸ء) ترکہ مستغرقہ بالدین کی صورت میں مدیون حقیقتاً میت ہے،لیکن چونکہ موت کی وجہ سے اس سے دنیا میں اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا،لہذا ترکہ کی طرف مدیون ہونے کی نسبت مجازی ہے۔مواخذہ اخروی میت پر باقی ہے۔اور یہ اس کے حقیقتاً مدیون ہونے کی دلیل ہے۔(مصدر سابق: ص۱۲۵ – ۱۲۸ملخصا) خلطۃ الشیوع اور کمپنی میں ایک وجہ فرق تو وہ ہے جو اسلام اور جدید معیشت میں مذکور ہے کہ خلطۃ الشیوع میں مجموعے پر زکاۃ

	ہے، افراد پر نہیں، جب کہ کمپنی پر الگ ٹیکس ہوتا ہے اور شیئر ہولڈرز پر الگ۔ ایک اور وجہ فرق بھی ہو سکتی ہے۔ (مصدر سابق: ص۱۲۹، ۱۳۰ملخصا)
کمپنی کی اپنی قانونی شخصیت ہے جو شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت کی نمائندگی کرتی ہے۔ (گویا شیئر ہولڈرز کا مجموعہ شخص قانونی اور فرد حکمی ہے)۔ بورڈ آف ڈائرکٹرس کمپنی کے منتخب کردہ افراد کا مجموعہ ہے، جو کمپنی کی طرف سے تصرفات کرتا ہے اور اس طرح شیئر ہولڈر کے مجموعہ کا وکیل ہے۔ لہذا بورڈ آف ڈائرکٹرز کے تصرفات جو کمپنی کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی حدود میں ہوں، کی بالواسطہ ذمہ داری سبھی شیئر ہولڈرس پر آتی ہے۔ (اسلامی فقہ اکیڈمی، انڈیا، نواں فقہی سیمینار، سؤال #۱، شیئرز کی شرعی حیثیت، تجویز#۸) شرکت اور کمپنی میں پانچ فرق ہیں: ۱: شرکت میں عموما ذمہ داری محدود نہیں ہوتی، بر خلاف کمپنی کے۔ ۲: شرکت میں کوئی شریک شرکت فسخ کر کے اپنا سرمایہ نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے، مگر کمپنی میں شیئر ہولڈر اپنا سرمایہ نکال نہیں سکتا، البتہ اپنے شیئر بیچ سکتا ہے۔ ۳: شرکت کا الگ قانونی وجود نہیں ہوتا، بر خلاف کمپنی کے۔ ۴: شرکت میں تمام شرکاء مدعی یا مدعی علیہ بنتے ہیں، جب کہ کمپنی شخص قانونی ہونے کی حیثیت سے خود ہی مدعی یا مدعی علیہ بنے گی، البتہ اس کی نمائندگی انتظامیہ کا کوئی آدمی کرے گا۔ ۵: شرکت میں ہر شریک کاروبار کے تمام اثاثوں کا مشاع طور پر مالک ہوتا ہے، جب کہ کمپنی میں کمپنی اور شیئر ہولڈرز دونوں کا الگ الگ وجود ہے، کمپنی کی تحلیل سے	ہماری (حضرت مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ کی) تجویز یہ ہے کہ یہ (کمپنی) اولا شرکت املاک ہے، اور پھر عقد اجارہ۔ (ماہنامہ انوار مدینہ: ص۳۶، جون۲۰۰۸ء) [اس پر حضرت مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں: کمپنی کے عقد کو بنیادی طور پر عقد اجارہ قراد دینا ایسی عجیب بات ہے کہ اس پر حیرت کے سوا کیا کیا جاسکتا ہے؟۔ کمپنی کی شرعی حیثیت پر اب تک بہت سی کتابیں اور تحریریں آئی ہیں، کسی نے بھی آج تک اس کو اجارہ قرار نہیں دیا۔ (غیر سودی بینکاری: ص۳۴۶) پھر مجھ جیسا کم علم یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ حضرت مفتی صاحب مد ظلہم اس شرکت کو شرکت عقد کے بجائے شرکت ملک قرار دینے پر کیوں مصر ہیں؟ جب کہ تمام شرکاء اس شرکت کے ذریعے نفع بخش کاروبار کرنے پر متفق ہیں، اور اسی غرض کے لیے رقمیں جمع کر کے مؤسس شرکاء کو اس کاروبار میں اپنا وکیل بنارہے ہیں، جب کہ شرکت ملک میں ہر شریک اپنے حصے میں دوسرے کے لیے اجنبی ہوتا ہے۔ یہ بات تمام کتب فقہ میں موجود ہے، لیکن شیخ مصطفی زرقاء نے دونوں قسم کی شرکتوں کا فرق زیادہ واضح طریقے سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:۔۔۔غیر سودی بینکاری: ص۳۴۹، ۳۵۰] کمپنی کے کام کی جو بھی حقیقت ہو اس کی اصل یہ تین بنیادیں ہیں: ۱: کمپنی کے ڈائرکٹران کے کام میں سال بھر کسی دوسرے

پہلے شرکاء کو اس کے اثاثوں میں تصرف کا حق نہیں ہوتا، البتہ کمپنی تحلیل ہونے کے بعد شرکاء کو اس کے اثاثوں سے متناسب حصے ملیں گے۔(اسلام اور جدید معیشت و تجارت: ص ۷۴ ، ۷۵ ملخصا)

کمپنی کے وجود میں آنے کے لیے عقد اجارہ ضروری نہیں، بلکہ اصلا یہ ایک عقد مشارکہ ہے۔ اس فتوی پر حضرت مفتی تقی صاحب کے بھی دستخط ہیں۔ (فتوی دار العلوم کراچی ،مؤرخہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ بحوالہ ماہنامہ انوار مدینہ :ص ۳۶، جون ۲۰۰۸ء،)

کمپنیاں شرکت عنان کے تحت داخل ہیں۔(ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی، بحوالہ ماہنامہ انوار مدینہ: ص ۳۵، جون ۲۰۰۸ء)

مشارکہ ایک نئی اصطلاح ہے۔ اس کا مفہوم شرکت سے محدود ہے۔ اس میں زیادہ تر شرکۃ الاموال اور کبھی شرکۃ الاعمال شامل ہوتی ہے۔(دیکھیے: An Introduction to Islamic Finance : P 109)

(ان عبارات میں غور کرکے کمپنی کی ماہیت کے بارے میں حضرات کا نقطہ نظر معلوم کرنے کی ضرورت ہے)

کی طرف سے مداخلت نہ ہو۔ ۲: ڈائرکٹران کو کام کے لیے جو مشترکہ سرمایہ حاصل ہوا ہے اس میں کمی نہ ہو۔ ۳: کمپنی کے ڈائرکٹران اور دیگر حاملین حصص کی ذمہ داری محدود ہو۔(ماہنامہ انوار مدینہ: ص ۳۶، جون ۲۰۰۸ء)

نیز دیکھیے : ہدیہ جواب : ص ۵۵ – ۶۸، کمپنی کی حقیقت

(شخص قانونی کے جو نظائر ذکر کیے گئے ہیں ان میں تین باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ وجوب کی نسبت ان اشیاء کی طرف حقیقی ہے یا مجازی؟ شرعی نقطہ نظر سے اہلیت وجوب سے متصف کون ہوتا ہے؟ اس کے لیے فقہاء نے "ذمہ" کی جو تفصیل ذکر فرمائی ہے اسے دیکھنا چاہیے۔ دیکھیے: مثلا کشاف اصطلاحات الفنون: ۲/ ۱۵۹، ۱۶۰، مصطلح الذمۃ، التعریفات للجرجانی: ص ۸۷، قول الشامی فی کتاب الکفالۃ: الذمۃ وصف شرعی۔۔۔ وقول الرافعی علیہ۔ دوسری بات یہ کہ اگر حقیقی ہے تو موافق قیاس ہے یا مخالف قیاس؟ ۔تیسری یہ کہ اگر حقیقی اور موافق قیاس ہے تو ان چاروں چیزوں کا واقعی وجود ہے، جبکہ کمپنی کا کمپنی ہونے کی حیثیت سے وجود واقعی نہیں، بلکہ صرف فرضی ہے، تو آیا فرضی وجود کو واقعی پر قیاس کیا جاسکتا ہے؟ اگر کیا جاسکتا ہے تو شخص قانونی کے وجود کا حکم

ثابت کرنا اور متعدی کرنا درست ہو گا ورنہ نہیں۔اور شخص قانونی کے عدم ثبوت کی تقدیر پر معاصر قانون جو احکام شخص حقیقی کے ذمے سے الگ کر کے حقیقتا شخص قانونی کے لیے ثابت کرتا ہے،ان کی کیا توجیہ ہو گی؟اور اس صورت میں بزنس کو کمپنی کے طور پر رجسٹر کرانا کیسا ہو گا جب کہ معاصر قانون کی نظر میں کمپنی کے شخص قانونی ہونے کی حیثیت مسلم ہے؟ امداد الفتاوی:۳/۴۸۶ – ۵۱۲ ایک رسالہ ہے:القصص السنی فی حکم حصص کمپنی۔اس میں کمپنی کے کاروبار سے متعلق سؤالات وجوابات ہیں۔نیز دیکھیے:امداد الاحکام:۳/۳۶۸،۳۶۹)	
۲: محدود ذمہ داری کا تصور(Limited Liability)	
محدود ذمہ داری کے معنی: محدود ذمہ داری کے معنی یہ ہیں کہ اگر کمپنی دیوالیہ ہو گئی(یعنی دیون اثاثہ جات سے زیادہ ہو گئے)،تو ڈائرکٹرز اور شیئر ہولڈرز(یعنی مالکان کمپنی)،صرف کمپنی میں لگائے ہوئے سرمائے کی حد تک دیون کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے ،اس سے زیادہ کا ان سے مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔اس سے زیادہ دیون دائنین وصول نہیں کر سکیں گے اور ان کا سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔عام طور پر تو کمپنیاں ہی لمیٹڈ ہوتی ہیں،لیکن کبھی شرکت بھی لمیٹڈ ہوتی ہے۔(اسلام اور جدید معیشت وتجارت: ص۷۳،۷۴ملخصا) **Background of Limited Liability Concept :** The Basic purpose of the introduction of this principle was to attract the maximum number of investors to the large scale joint venture and to assure them that their personal fortune will not be at stake if they wish to invest their savings in such a joint enterprise. In the practice of modern trade the concept proved itself to be vital force to mobilize large amounts of capital from a wide range of investors. (Meezan Banks guide to Islamic Banking : P303,304) اس مسئلے کے بارے میں بندے(حضرت مفتی تقی صاحب حفظہ اللہ)نے جو کچھ لکھا ہے وہ کوئی حتمی فتوی نہیں ہے،بلکہ ایک سوچ ہے جو اہل علم کے غور کے لیے پیش کی جارہی ہے۔(غیر سودی بینکاری : ص۳۳۹ ملخصا بلفظہ)	
کمپنی کی محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد دراصل شخص قانونی کے تصور پر ہے۔شخص قانونی کو حقیقت مان لینے کے بعد محدود ذمہ داری کو ماننا مشکل نہیں۔(اسلام اور جدید معیشت وتجارت:ص۹۹)	(ان حضرات کے نقطہ نظر سے شخص قانونی کا وجود اور حقیقتا اہلیت وجوب سے متصف ہونا ہنوز محتاجِ دلیل ہے،لہذا محدود ذمہ داری بھی ثابت نہیں)
لمیٹڈ کمپنی کی ایک نظیر عبد ماذون فی التجارۃ ہے۔اس کی تجارت	عبدماذون میں دائنین کو یہ بھی حق ہوتا ہے کہ اسے فروخت نہ

مولی کی مملوک ہوتی ہے۔اس کے دیون اگر اس کی قیمت سے زیادہ ہوجائیں تو اس کی قیمت تک محدود ہوتے ہیں۔اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہوسکتا ہے اور نہ مولی سے۔یہاں دائنین کا ذمہ خراب ہوگیا ۔ (اسلام اور جدید معیشت وتجارت:ص۱۰۰ملخصا)	ہونے دیں،بلکہ اس سے کمائی کرا کے اپنے دین پورے وصول کرلیں۔اور اگر اسے فروخت کردیا جائے تب بھی دائنین کو حق ہوتا ہے کہ جب کبھی وہ آزاد ہوجائے اس سے اپنے دیون کا مطالبہ کریں، برخلاف لمیٹڈ کمپنی کے ۔فافترقا۔(ماہنامہ انوار مدینہ:ص۳۵،ملخصا،جولائی۲۰۰۸ء)
شخص حقیقی اگر مقروض مفلس ہوجائے تو اس کی زندگی میں دائنین صرف اس کے اثاثوں سے دین وصول کرسکتے ہیں۔اگر دوبارہ غنی ہوجائے تو اب پھر اس سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔اور اگر مفلس ہونے کے حال میں وفات پاجائے تو اس کی ذمہ داری اس کے اثاثوں تک محدود ہوتی ہے اور دائنین کا ذمہ خراب ہوجاتا ہے جب کمپنی کو بھی شخص مان لیا گیا تو یہ بھی اگر دیوالیہ ہوکر تحلیل ہوجائے تو اس کی ذمہ داری بھی اثاثوں تک محدود ہونی چاہیے،اس لیے کہ کمپنی کا تحلیل ہوجانا ہی اس شخص قانونی کی موت ہے۔(مصدر سابق:ص۹۹،۱۰۰ملخصا)	یہ کہنا درست نہیں کہ مفلس مقروض سے مزید مطالبہ صرف اس کے غنی ہونے پر ہی کیا جاسکتا ہے،بلکہ افلاس ثابت ہونے کے بعد بھی دائن اس کا پیچھا کرسکتا ہے، کہ وہ جو کچھ کمائے اس میں سے کچھ وصول کرتا رہے۔اور اگر عبد ماذون اور مفلس مقروض مر بھی جائیں تو آخرت کے اعتبار سے دوسروں کا حق ان کے ذمے باقی ہے ۔مسلمانوں کی معیشت آخرت کے مواخذے سے بے پرواہ نہیں ہوسکتی، لہذا تدبیر معاش کی کوئی ایسی صورت تجویز کرنا درست نہیں جس سے اخروی مواخذہ ہو۔ (مصدر سابق:ص۳۶ملخصا)
حضرت نے ایک نظیر مضارب اور رب المال کی ذکر فرمائی ہے، لیکن اس پر خود ہی شبہہ ذکر فرمایا ہے ۔(مصدر سابق :ص۹۸،۹۹)	انوار مدینہ : ص۴۱ – ۴۳ ،جولائی ۲۰۰۸ء میں اس نظیر پر مزید کلام بھی ہے۔
محدود ذمہ داری کا تصور صرف پبلک کمپنیوں (جن کے شرکاء کی تعداد بہت زیادہ ہو) تک رہنا چاہیے ، اسے پرائیویٹ کمپنیوں (جن کے شرکاء کی تعداد کم ہو) اور پارٹنر شپس پر نہیں لگانا چاہیے۔(میزان بینکس گائیڈ:ص۳۱۲)	دیکھیے:ماہنامہ انوار مدینہ:ص۴۴ – ۴۶،جولائی۲۰۰۸ء

یہاں محدود ذمہ داری کا شرکاء کے باہمی حقوق وفرائض سے کوئی تعلق نہیں۔یعنی یہ شرط ایک شریک دوسرے شریک پر نہیں لگارہا، بلکہ یہ تمام حصہ داروں کی طرف سے اپنے دائنین کے لیے ایک اعلان یا ان کے ساتھ ایک شرط ہے کہ کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں اگر آپ کے دیون اثاثوں سے زیادہ ہوئے تو آپ صرف اثاثوں کی حد تک ہی اپنے دیون وصول کر سکیں گے۔لہذا یہ شرط متعاقدین ایک دوسرے پر نہیں لگا رہے ،بلکہ اجنبی پر لگا رہے ہیں۔اور ایسی شرط خود تو باطل ہوتی ہے لیکن اس سے عقد فاسد نہیں ہوتا۔(غیر سودی بینکاری : ص۳۴۶ ملخصا، نیز دیکھیے:ص۳۵۱، اسلام اور جدید معیشت وتجارت: ص۱۰۰) خلاصہ یہ ہے کہ محدود ذمہ داری کا تصور اگر خلاف شریعت ہوتب بھی اس سے شرکت اور مضاربت کا عقد فاسد نہیں ہوتا، البتہ کمپنی کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں کمپنی کے شرکاء پر شرعا واجب ہو گا کہ دائنین کو یہ پیشکش کر دیں جو اپنے حق سے محروم ہورہے ہیں ان کا جتنا جتنا حصہ ہمارے ذمے ہے ہم ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔(غیر سودی بینکاری:ص۳۵۴،۳۵۵ملخصا)

شرکاء کے درمیان محدود ذمہ داری کی شرط سے یہ عقد شرکت یا عقد مضاربت فاسد نہ ہو گا، یہاں تک تو یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔لیکن یہاں دو عقد ہیں۔ایک عقد شرکت(جو شرکاء کے درمیان ہے) یا عقد مضاربت(جو شرکاء اور بینک کے درمیان ہے)۔اور دوسرا وہ عقد جو دائنین اور بینک کے درمیان ہے۔اس دوسرے عقد کے عدم فساد کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ یہاں یہ شرط فاسد صلب عقد میں ہے اور یہ شرط فاسد کسی اجنبی پر بھی نہیں،اس لیے کہ دائنین جو کہ فروخت کنندگان ہیں، بھی اس عقد میں ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔لہذا محدود ذمہ داری کی شرط کی وجہ سے یہ دوسرا عقد یعنی عقد بیع فاسد ہو گا۔اور جب یہ عقد فاسد ہوا تو اس بینک کی پوری کمائی عقود فاسدہ کی مرہون منت ہے اور عقود فاسدہ بحکم سود ہیں اور بینک مالکان اپنے شرکاء کو جو نفع دیتے ہیں ان عقود فاسدہ سے حاصل کر کے دیتے ہیں، گویا کہ بینک محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد پر خود بھی عقود فاسدہ کی حرام آمدنی کھا کر سود کے گناہ میں ملوث ہیں اور ان کے تمام شرکاء بھی بحکم سود عقود فاسدہ کے منافع کھا کر سود کے گناہ میں ملوث ہیں۔(نام نہاد اسلامی بینکاری :ص۴۴۵ملخصا) محدود ذمہ داری کی شرط کا شیئرز کی خریدوفروخت پر اثر : دیکھیے: ہدیہ جواب: ص ۷۰ - ۷۴، مروجہ اسلامی بینکاری کی چند خرابیاں:ص۲۳)

(حق تلفی سے تو اس طرح بچاؤ ہو جائے گا، لیکن ابتداءً خلاف شرع شرط عائد کرنے کی خرابی باقی رہے گی)	(فروخت کنندگان اور بینک کے درمیان ہونے والے عقد میں بینک اگر نقد ادائیگی نہیں کر رہا، کچھ حصہ ادھار ہے تو اس عقد پر محدود ذمہ داری کی شرط کا اثر پڑے گا۔ رہی یہ بات کہ بینک کے کاروباری عقود کا اکثر حصہ ادھار یا قرض ہوتا ہے، اس کی

	کوئی دلیل یہاں مذکور نہیں،لہذا یہ قابل تحقیق ہے)

(امداد الاحکام:۳/ ۴۵۲،۴۵۳: پر محدود ذمہ داری کو ناجائز فرمایا ہے، بوجہ اضاعت حقوق۔اور فرمایا ہے کہ محدود ذمہ داری کے قانون کے مشہور ہونے سے قرض خواہوں کا حق عند اللہ ساقط نہ ہوگا)

یومیہ پیداوار کی بنیاد پر نفع کی تقسیم(Profit on Daily Product Basis)

صورتِ مسئلہ: اگر بینک میں (مضاربت کھاتے میں) رقم رکھوانے اور نکالنے کی کوئی تاریخ طے کر دی جائے کہ تمام شرکاء ایک ہی تاریخ میں رقمیں جمع کرائیں اور ایک ہی تاریخ میں نفع نقصان کا تعین ہونے پر نکالیں اور بیچ میں مضاربت کھاتے میں نہ کوئی رقم رکھوانے کی اجازت ہو اور نہ نکالنے کی تو اس میں لوگوں کو سخت دشواری پیش آئے گی۔لہذا کیا کوئی ایسا طریقہ ممکن ہے جس میں رقمیں رکھوانے اور نکلوانے کا جو اس وقت رائج ہے بر قرار رکھا جاسکے؟اب لوگوں کو اس بات کا پابند کرنا کہ وہ کسی ایک خاص تاریخ کو رقمیں رکھوائیں اور ایک تاریخ ہی کو نکلوائیں، تقریبا نا قابل عمل ہے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ اس خاص تاریخ کے علاوہ کسی اور دن کو رقم رکھوانے کی ضرورت ہو تو وہ کرنٹ اکاؤنٹ ہی میں رکھوائیں، مضاربت کھاتے میں شریک نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسی تمام رقوم سے بینک تو نفع حاصل کرے لیکن ان رقوم سے مالکان کو کوئی نفع نہ ہو!! (غیر سودی بینکاری: ص ۳۰۴ ملخصا)

اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز: اس صورت حال میں اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ تجویز پیش کی گئی کہ رقمیں خواہ کسی وقت رکھوائی جائیں انھیں یومیہ پیداوار کے حسابی طریقے سے کے مطابق نفع میں شریک کیا جائے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مدت مضاربت کے اختتام پر جو نفع آئے اس کے بارے میں یہ حساب کیا جائے کہ اوسطا فی یوم فی روپیہ کتنا نفع ہوا؟اس کے مطابق جس کی رقم جتنے دن رہی اس کا نفع میں حصہ معلوم کر لیا جائے۔کونسل نے اس طریقے کی منظوری دی۔جو اس کی رپورٹ کے ص۴۸ پر مذکور ہے۔اس وقت کونسل کے اراکین میں مولانا شمس الحق افغانی، مفتی سیاح الدین کاکاخیل، مفتی محمد حسین نعیمی بریلوی، اور پیر قمرالدین سیالوی بریلوی شامل تھے۔میں(حضرت مفتی تقی) تو اس وقت کونسل کا سب سے کم عمر رکن تھا۔(مصدر سابق: ص ۳۰۴،۳۰۵ملخصا)

اس تجویز کی روسے یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ مثلا: اگر مدتِ شرکت شروع ہونے کے بعد کوئی شخص شریک ہوتا ہے(مثلا۶ ماہ گزرنے کے بعد شریک ہوا) تو مدت کے اختتام پر(مثلا ایک سال پورا ہونے کے بعد نفع کا حساب کرتے وقت) اس کو پوری مدت کا اوسط ریٹ دیا جاتا ہے(یعنی پورے سال کا اوسط فی یوم فی روپیہ جو نفع نکلے گا وہی ریٹ اس ۶ ماہ شرکت کرنے والے کے لیے بھی ہوگا) حالانکہ اس وقت(پہلے ۶ ماہ) اس نے عقد شرکت کیا ہی نہیں تھا، تاہم اس کے نفع کی مجموعی مقدار کم ہو جاتی ہے۔(مثلا سارا سال شریک ہونے والے کو اگر دو لاکھ نفع ہوا ہے تو ۶ ماہ شریک رہنے والے کو ایک لاکھ نفع ہوگا، مدت کے آدھا ہونے کی وجہ سے) ۔(مأخذہ: غیر سودی بینکاری: ص۳۱۷، ۳۲۲بتوضیح)

(یومیہ پیداوار کی بنیاد پر نفع کی تقسیم کے بارے میں حضرت مفتی تقی صاحب دام ظلہ نے طویل کلام فرمایا ہے۔ غیر سودی بینکاری: ص ۳۰۳ – ۳۲۳، اس کے آخر میں فرماتے ہیں): یہ مثالیں پیش کرنے کا منشا یہ نہیں کہ یہ صورتیں یومیہ پیداوار کے طریقے پر پوری طرح منطبق ہیں۔ بلکہ منشا یہ ہے کہ فقہاء کرام نے شرکت کی ایسی صورتوں کو عرف، تعامل اور حاجت کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے جن میں بہ ظاہر ایک شخص دوسرے کے پیسے یا عمل یا وجاہت سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ لہذا یومیہ پیداوار کے طریقے میں اگر ایسا ہو رہا ہے تو اس سے شرکت کے کسی بنیادی اصول کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی، جب کہ اس کے نفع کا تناسب اسی نسبت سے کم بھی ہو رہا ہے جس نسبت سے کاروبار میں اس کا حصہ شامل نہیں تھا۔ شرکت کا وہ بنیادی اصول کہ کسی صورت میں کوئی شریک نفع سے محروم نہ رہے یعنی انقطاع شرکت لازم نہ آئے، نیز وہ اصول کہ الوضعیۃ علی المال والربح علی ما اصطلحوا علیہ بھی اس صورت میں محفوظ ہے۔ (غیر سودی بینکاری: ص ۳۲۳، ۳۲۴ ملخصا)	[جن میں بہ ظاہر ایک شخص دوسرے کے پیسے یا عمل یا وجاہت سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اقول: لیکن عقد اور ضمان کے بعد، جب کہ یومیہ پیداوار کے طریقے میں بدوں عقد اور ضمان دوسرے کے پیسے، عمل اور وجاہت سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، کیونکہ گزشتہ ۶ ماہ میں نہ عقد ہے اور نہ ضمان، لہذا یہ قیاس درست نہیں۔ احمد ممتاز۔ ملخصا] (نام نہاد اسلامی بینکاری: ص ۴۱۹) یومیہ پیداوار کا یہ طریقہ شریعت کے عمومی قوانین الخراج بالضمان، الغنم بالغرم، لایحل ربح ما لم یضمن کے بھی خلاف ہے۔ (مصدر سابق: ص ۴۲۰ – ۴۲۴ ملخصا) ہدیہ جواب: ص ۳۰ – ۴۵ پر، غیر سودی بینکاری میں یومیہ پیداوار سے متعلق ذکر کی ہوئی ۶ مثالوں پر کلام کیا گیا ہے۔ لیکن ان مثالوں کے آخر میں حضرت مفتی تقی صاحب حفظہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ یہ مثالیں یومیہ پیداوار کے طریقے پر پوری طرح منطبق نہیں، لہذا یہاں ہدیہ جواب کے کلام کی تلخیص کی ضرورت نہیں رہی۔ جو احباب مطالعہ کرنا چاہیں وہ ہدیہ جواب کی مراجعت فرمائیں۔
(خلاصہ یہ کہ فقہاء کی جزئیات تو پوری طرح اس طریقے پر منطبق نہیں ہوتیں، لیکن عقد شرکت کے عام ضوابط کی رو سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے)	(خلاصہ یہ کہ یومیہ پیداوار کی بنا پر نفع نقصان تقسیم کرنے کا مجوزہ طریقہ فقہاء کی جزئیات سے بھی ثابت نہیں، اور شریعت کے عمومی قوانین سے بھی اس کی نفی ہوتی ہے)
اس طریق کار کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مختلف شرکاء شرکت و مضاربت شروع ہونے کے بعد رقمیں نکلوا لیتے ہیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ وہ اپنا حصہ جزوی یا کلی طور پر دوسرے شرکاء کو فروخت کر دیتا ہے۔ اور اس کی قیمت لگاتے وقت کاروبار کی اس	عقد شرکت میں شریک کو اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہے اپنا اصل سرمایہ اور اب تک کا نفع لے کر الگ ہو جائے۔ بینک کے مشارکہ میں الگ ہونے والے کو اپنا حصہ کم قیمت پر فروخت کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، اس میں ضع وتعجل کی خرابی بھی

<table>
<tr>
<td>وقت کی حیثیت مدنظر رکھی جاتی ہے۔(غیر سودی بینکاری :ص۳۲۷ملخصا)</td>
<td>ہے۔ نفع بھی حقیقی کے بجائے تخمینی دیا جاتا ہے، شرکت کا ایک اہم اصول بھی نظر انداز ہورہا ہے کہ الگ ہونے والا شریک جس وقت چاہے اپنا اصل اور نفع لے کر الگ ہو سکتا ہے، خواہ اس کا مال جس کیفیت میں ہو لے سکتا ہے۔ پھر الگ ہونے والے شریک کو اپنا حصہ نقد میں وصول کرنے پر مجبور کرنا اور یہ کہنا کہ وہ اپنا حصہ دوسروں کے ہاتھ فروخت کرے درست نہیں۔(مروجہ اسلامی بینکاری:ص۲۱۸،۲۱۹ملخصا)</td>
</tr>
<tr>
<td>یہ بات لکھتے وقت کتب فقہ کی مراجعت نہیں کی گئی اور نہ کوئی حوالہ دیا گیا ہے۔ اور نہ الگ ہوتے وقت نفع لینے کا طریقہ بتایا گیا۔ نتیجتا ایسی بات کہی گئی جس پر عمل کرنا تقریبا ناممکن ہے، خصوصا آج کی پھیلی ہوئی صنعت وتجارت میں۔
مضاربت ختم کرنے کا فقہاء نے یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اگر مال مضاربت پورا نقد شکل میں ہو تب تو رب المال مضاربت فسخ کر سکتا ہے اور اگر غیر نقد اثاثوں کی صورت میں ہوں تو صرف رب المال کے کہنے سے مضاربت ختم نہیں ہو گی، بلکہ پورا سرمایہ نقد شکل میں آنے کا انتظار کیا جائے گا۔ شرکت کے بارے میں بھی امام طحاوی نے یہی تفصیل بیان فرمائی ہے اور زیلعی نے اس پر فتوی بھی دیا ہے، لیکن بعد کے مشائخ کے ہاں مختار یہ ہے کہ شرکت فورا فسخ ہو جائے گی اور دوسرے شرکاء اس الگ ہونے والے کے ساتھ نفع نقصان کا معاملہ فورا طے کریں اور پھر مال شرکت میں تصرف کریں۔
امام طحاوی نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر راس المال غیر نقد اثاثوں کی صورت میں ہے اور نفع ظاہر ہو چکا ہے تو مضارب رب</td>
<td>لیکن حضرت مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ نے ہدیہ جواب میں یومیہ پیداوار کے طریقے پر اشکالات ذکر فرمائے ہیں :
[قولہم: (وأما) العلم بمقدار رأس المال وقت العقد فليس بشرط لجواز الشركة بالأموال عندنا ..... (ولنا) أن الجهالة لا تمنع جواز العقد لعينها بل لإفضائها إلى المنازعة، وجهالة رأس المال وقت العقد لا تفضي إلى المنازعة؛ لأنه يعلم مقداره ظاهرا وغالبا؛ لأن الدراهم والدنانير توزنان وقت الشراء، فيعلم مقدارها فلا يؤدي إلى جهالة مقدار الربح وقت القسمة. (بدائع الصنائع : ٦/٦٣) اس سے معلوم ہوا کہ پورے راس المال کا معلوم ہونا نفع کے وقت ضروری ہے، تاکہ اس کے مطابق طے شدہ شرح سے نفع تقسیم کیا جاسکے۔ ورنہ اگر یہ شرط ہو کہ کل راس المال وقت عقد ہی معلوم ہو جائے تو لازم آئے گا کہ ایک دفعہ سرمایہ لگانے کے بعد نفع کی تقسیم تک کسی فریق کو بھی مزید سرمایہ لگانے کی اجازت نہیں اور یہ بات بدیہی طور پر غلط ہے۔(غیر سودی بینکاری:ص۳۲۴،۳۲۵ ملخصا)]
اس پر مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:</td>
</tr>
</table>

المال کو مجبور کر سکتا ہے وہ غیر نقد اثاثے خود رکھ لے اور اتنی قیمت دیدے جس سے راس المال اور نفع دونوں رب المال کو پہنچ جائے۔اور اثاثوں کے بجائے ان کی قیمت دینا یہ بیع ہے اور یہ بیع اقتضاء بھی ہو سکتی ہے۔

اگر بینک کو سود سے پاک کرنا ہے اور یہ بات لانی ہے کہ اس میں پڑی رقوم سے مالکان کو بھی نفع پہنچے تو پھر یومیہ پیداوار کے طریقے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔جس کے فقہی جواز پر اوپر بحث کی گئی۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں اس وقت کے بڑے علماء نے اسے درست قرار دیا اور مفتی عبد الواحد صاحب نے بھی اس سے مجلس تحقیق مسائل کے اجلاس میں اختلاف نہیں کیا،اور جہاں جہاں غیر سودی بینک قائم ہوئے وہاں کے علماء نے یہ طریقہ جائز قرار دیا۔(غیر سودی بینکاری :ص۳۲۸ – ۳۳۳ ملخصا)

۱: مضاربت اور شرکت کی ابتداء میں راس المال کا تفصیلی یا اجمالی علم ہونا شرط ہے۔(ہدیہ جواب:ص۲۱)اس کے برعکس یومیہ پیداوار والے طریقے میں ابتداء سرمایہ کی تعیین ہوتی ہی نہیں،نہ صریح بیان سے،نہ نوٹوں کی ڈھیری دیکھنے سے،اور نہ شرح کے تناسب کے ذکر سے۔(مصدر سابق:ص۲۳) بدائع کی مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ راس المال کی ڈھیری لگی ہوئی ہو لیکن تفصیلی مقدار کے لیے وزن کی ضرورت ہو۔(ہدیہ جواب:ص۲۰ملخصا)

يشترط في المضاربة أن يكون رأس المال معلوما كشركة العقد أيضا وتعيين حصة العاقدين من الربح جزءا شائعا كالنصف والثلث ولكن إذا ذكرت الشركة على الإطلاق بأن قيل مثلا " الربح مشترك بيننا " يصرف إلى المساواة. (المجلة : المادة : ١٤١١)

والمراد بعلم رأس المال علمه بتسمية مقداره أو بالإشارة إليه كما إذا عقدا المضاربة على صرة دراهم أشار إليها وهما لا يعرفان مقدارها فإنه يجوز . (شرح المجلة للأتاسي : ٤/ ٣٠١ ، ٣٠٢) (ہدیہ جواب:ص۲۰،۲۱)

۲:اگر راس المال کی مقدار طے کیے بغیر دو آدمی شرکت عنان کریں اور ایک شریک دس ہزار روپے کا سامان شرکت پر خریدے اور وہ ہلاک ہو جائے تو یہ اپنے شریک سے کس تناسب سے ضمان لے جب کہ ضابطہ یہ ہے کہ الوضعیۃ علی قدر راس المال! (ہدیہ جواب:ص۲۱ملخصا)

۳:اگر مضاربت میں راس المال بڑھایا جائے تو وہ یا دو مضاربتیں بن جائیں گی،یا پچھلی مضاربت ختم ہو کر نئی مضاربت بن جائے

	گی اور اگر راس المال میں سے کچھ نکال لیا جائے تو وہ لامحالہ نئی مضاربت بن جائے گی۔ پچھلی مضاربت کا تسلسل نہیں رہے گی جیسے حضرت تقی صاحب نے قرار دیا۔ (ہدیہ جواب: ص ۲۲ ملخصا) ۴: مضارب اور رب المال میں نفع کی شرح کا تعین کرنے میں راس المال کی مقدار کو بھی دخل ہوتا ہے، لہذا وقت عقد اگر یہ مقدار معلوم نہیں ہوگی تو الربح علی ما اصطلحا پر عمل نہیں ہو سکے گا۔ مثلا راس المال ایک لاکھ ہو تو ممکن ہے مضارب ۶۰ فیصد سے کم پر راضی نہ ہو۔ اور اگر راس المال دس لاکھ ہے تو ممکن ہے مضارب ۴۰ فیصد پر راضی ہو جائے۔ (ہدیہ جواب: ص ۲۲ ملخصا) ۵: کاروبار میں ضروری نہیں ہر مہینے نفع یکساں ہو، اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر مہینے نفع ہی ہو۔ اب اگر ایک شریک ۶ ماہ تک رقم کاروبار میں رکھتا ہے اور سال بعد حساب ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ جن ماہ میں اس نے رقم کاروبار میں رکھی ہو ان میں نفع نہ ہو، یا دوسرے ۶ ماہ سے کم ہو۔ اور یومیہ پیداوار کے طریقے میں جب سال بعد حساب ہو گا تو اس ۶ ماہ شریک رہنے والے کا اصل نفع یا نقصان معلوم ہو نہیں سکتا، کیونکہ اوسط حساب اصل سے مختلف ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ طریقہ عدل وانصاف کے خلاف ہے۔ (ہدیہ جواب: ص ۲۸، ۲۹ ملخصا)
[قولہم: اور حضرت مفتی عبد الواحد صاحب مدظلہم نے جن تین باتوں سے اختلاف فرمایا تھا ان میں یہ بات شامل نہیں ہے۔ انتہی قولہم بلفظہم۔ غیر سودی بینکاری: ص ۳۳۳]	اس کے دو جواب ہیں: ۱: اس (اکاؤنٹ سے رقمیں نکلوانے) کا یومیہ پیداوار کے طریقہ سے کچھ تعلق نہیں۔ ۲: مجلس تحقیق کی بات اس سے بہت مختلف ہے جو مولانا ثابت کرنا چاہتے

ہیں۔ مجلس کی تجویز کی رو سے عمیل جتنی رقم جمع کرائے گا صرف اس کے بقدر بینک رہن کا حصہ چھوڑتا رہے گا۔اب عمیل اس اکاؤنٹ میں سے صرف ملنے والا نفع ہی نکلوا سکتا ہے ،کیونکہ اصل رقم کے عوض وہ اس کے بقدر رہن چھڑواچکا ہے۔ لہذا یہ بات اس سے بہت مختلف ہے جو مولانا عثمانی مدظلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔یعنی مضاربہ اکاؤنٹ سے رقمیں نکلواتے رہنا۔ دیکھیے: احسن الفتاوی : ۷/۱۲۲،۱۲۳ (ہدیہ جواب: ص۵۳،۵۴ملخصا)

مرابحہ اور اجارہ کو طریق تمویل کے طور پر استعمال کرنے کی حیثیت

یہ بات کسی صورت نظر انداز نہیں ہونی چاہیے کہ مرابحہ اپنی اصل کے اعتبار سے طریقہ تمویل نہیں ہے۔یہ تو صرف سود سے بچنے کا ایک وسیلہ اور حیلہ ہے۔ایسا مثالی ذریعہ تمویل نہیں ہے جو اسلام کے معاشی مقاصد کی تکمیل کرتا ہو۔اس لیے معیشت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے عمل میں اسے ایک عبوری مرحلے کے طور پر استعمال کرنا چاہیے۔اور اس کا استعمال انھیں صورتوں تک محدود رہنا چاہیے جہاں مشارکہ اور مضاربہ قابل عمل نہیں ہیں۔نیز یہ کہ جن شرائط کے ساتھ مرابحہ کی اجازت دی گئی ہے ان کی پوری رعایت ضروری ہے۔ان شرطوں کی رعایت ہی ایسی چیز ہے جس سے سودی قرضے اور مرابحہ کے معاملے میں خط امتیاز قائم ہوتا ہے۔(اسلامی بینکاری کی بنیادیں:ص۹۳) مرابحہ کا بندوبست مختلف عقدوں کا ایک پیکیج ہے جو باری باری اپنے متعلقہ مراحل میں بروئے کار آتے ہیں۔مرابحہ کی اس بنیادی خصوصیت کو مدنظر رکھے بغیر سارا کا

مرابحہ اور اجارہ کو اسلامی بینکاری کے لیے بطور تمویلی طریق کار کے اختیار کرنے کے بارے میں ہمارا موقف تقریبا وہی ہے جو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کا ہے۔اس سلسلے میں ہمارے موقف کا تجزیہ حسب ذیل پانچ اجزا میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱: مرابحہ اور اجارہ مستقل تمویلی طریقے نہیں ہیں۔ محض حیلے ہیں۔ ۲: یہ حیلے علماء نے صرف مخصوص حالات اور وقتی اور عبوری دور کے لیے بتائے تھے ۔۳: یہ بہت ہی نازک اور خطرناک حیلے ہیں،ذرا سی بے احتیاطی اس کو سودی نظام سے ملا دیتی ہے۔۴: ان حیلوں کو دائمی نظام کے طور پر استعمال کرنا نہ صرف یہ کہ غلط ہے،بلکہ ناجائز بھی ہے۔۵: اسلامی بینکاری میں مرابحہ اور اجارہ کا حجم ختم ہونا ضروری ہے،ورنہ کوئی اسلامی بینک اسلامی بینک کہلانے کا حقدار نہیں ہو گا۔(مروجہ اسلامی بینکاری : ص۲۲۷،۲۲۸ملخصا)

سارا معاملہ سودی قرضے میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔ محض اصطلاحات اور نام تبدیل کرنے سے معاملہ شرعاً جائز نہیں ہو جاتا۔(اسلامی بینکاری کی بنیادیں:ص ۱۳۶، ۱۳۷) یہ (یعنی تیسرے اور پانچویں مرحلے کے درمیان سامان کا مالیاتی ادارے کے رسک اور ضمان میں رہنا)واحد خصوصیت ہے جو مرابحہ کو سودی قرضے سے ممتاز کرتی ہے۔اس لیے ہر قیمت پر اس کی پوری رعایت رکھنا ضروری ہے،وگرنہ مرابحہ کا عقد شرعاً صحیح نہیں ہوگا۔(مصدر سابق:ص۹۶)۔ مرابحہ ایسا معاملہ ہے جو سرحد پر واقع ہے اور بیان کردہ طریقہ کار سے معمولی ساہٹنے سے قدم سودی تمویل کے ممنوعہ علاقے میں واقع ہوجاتے ہیں۔(اسلامی بینکاری کی بنیادیں:ص۱۴۰) ایسا معاملہ جس کے جواز میں فقہاء کرام کا اختلاف ہو اور جس میں سود کی کم از کم مشابہت تو پائی ہی جاتی ہو اسے شدید ضرورت کے مواقع پر بدرجہ مجبوری اختیار کرلینے کی گنجائش تو نکل سکتی ہے لیکن اس پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی بنیاد کھڑی کردینا اور اسے سرمایہ کاری کا ایک عام معمول بنا لینا کسی طرح درست نہیں ۔۔۔۔بینک جو نہ تجارتی ادارہ ہے اور نہ سامان تجارت اس کے پاس موجود رہتا ہے وہ بیع مؤجل کا یہ طریقہ اختیار کرے تو ایک کاغذی کاروائی کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔جس کا مقصد سود سے بچنے کے ایک حیلے کے سوا کچھ اور نہیں۔اس قسم کے حیلوں کی شدید ضرورت کے مواقع پر تو گنجائش ہوسکتی ہے لیکن سارا کاروبار ہی حیلہ سازی پر مبنی کردینا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔(فقہی مقالات:۲/۲۶۰) (حیلہ چونکہ شدید

بینکوں میں مروجہ اجارہ اور مرابحہ چونکہ ایسے حیلے ہیں جن کے ذریعہ روایتی سودی بینکاری جیسے منافع اور فوائد،روایتی سودی بینکوں کے معیارات اور شرحوں کے مطابق مسلمان بینکاروں کو سرمایہ کاری کے موقع فراہم کرنا مقصود ہے ایسے حیلوں کو ہمارے فقہاء کرام نے بڑی سختی کے ساتھ ناجائز فرمایا ہے۔(مرابحہ مؤجلہ کی تمویلی حیثیت:ص۱۵۳)

تاہم (اسلامی نظریاتی) کونسل نے اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادا یہ دوسرے طریقے (بیع مؤجل وغیرہ) سودی لین دین کے از سر نو رواج کے لیے چور دروازے کے طور پر استعمال ہوں اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ فیصلہ پالیسی کے طور پر ہو جانا چاہیے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی صورت میں سرمایہ کاری کے رواج کو بتدریج وسعت دی جائے گی اور یہ تمام دوسرے طریقے بالآخر ختم کردیے جائیں گے ۔(اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ :۱۹۸۰ – ۸۱ء، ص۱۰۲بحوالہ مرابحہ مؤجلہ:ص۱۷)

بینک سرمایہ کاری کا ادارہ ہے جہاں بالعموم ان مدارج (ضروریات،حاجات، تحسینیات،تعیشات،فضولیات) میں سے آخری تین درجوں کے لیے سرمایہ کاری ہوتی ہے۔حاجات اور ضروریات کے درجہ میں نہیں ہوتی ۔ مگر استدلال حاجات کی رعایت کے قاعدوں سے کیا جاتا ہے۔(مرابحہ مؤجلہ:ص۱۲۹)

<table>
<tr>
<td>ضرورت کے موقع پر ہوتا ہے تو بینک اور کلائنٹ کو ایسی شدید ضرورت ہونے کی جانچ کا کیا ضابطہ اور طریقہ کار ہے؟) مرابحہ کی طرح اجارہ بھی اپنی اصل کے اعتبار سے طریقہ تمویل نہیں ہے۔۔۔تاہم چند متعین شرائط کے ساتھ اس عقد کو تمویل کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے ۔(اسلامی بینکاری کی بنیادیں:ص۱۴۷) (اس سے معلوم ہوا کہ اجارہ کو فائنانسنگ کے لیے استعمال کرنا بھی درحقیقت ایک حیلہ ہے)</td>
<td></td>
</tr>
<tr>
<td>بنیادی طور پر موجودہ غیر سودی بینکاری کی حرمت کی جو دلیل بار بار زوروشور سے پیش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سارا کاروبار حیلوں پر چل رہا ہے، اس لیے نہ صرف حرام ہے بلکہ کھلے سودی بینکوں کے کاروبار سے زیادہ حرام ہے۔اس دلیل کا صغری یہ ہے کہ غیر سودی بینکوں کے سارے طریقے حیلوں پر مشتمل ہیں اور کبری یہ ہے کہ یاتو ہر حیلہ ناجائز ہے یا حیلوں کو کاروبار کا معمول بنانا ناجائز ہے ،حالانکہ یہ دونوں مقدمات درست نہیں ہیں۔نہ غیر سودی بینکاری کے ہر طریقے کو حیلہ کہا جاسکتا ہے اور نہ ہر حیلہ ناجائز ہوتا ہے۔(غیر سودی بینکاری:ص۷۴)
(ہر حیلے کے ناجائز نہ ہونے سے حیلوں کو کاروبار کا معمول بنانے کا جواز لازم نہیں آتا،لہذا کبری کی دوسری شق کی نفی نہ ہوئی)</td>
<td>صغری اور کبری کی پہلی شق خود ساختہ اور خلاف واقع ہے۔نہ یہ کہا گیا ہے کہ سارا کاروبار حیلوں پر مشتمل ہے اور نہ یہ کہا گیا ہے کہ ہر حیلہ علی الاطلاق ناجائز ہے۔ہاں کبری کا دوسرا جز یعنی حیلوں کو کاروبار کا معمول بنانا ناجائز ہے، یہ ہمارا موقف ہے۔اور اس موقف کا پوری کتاب غیر سودی بینکاری میں کوئی جواب نہیں ملتا۔(مرابحہ مؤجلہ: ص۵۳ – ۵۵ملخصا)</td>
</tr>
<tr>
<td colspan="2">اور اس قصہ (حضرت ایوب علیہ السلام کے) سے یہ نہ سمجھا جائے کہ احکام میں ہر جگہ حیلہ جائز ہے۔اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس حیلہ سے کسی حکمت شرعیہ وغرض شرعی کا ابطال مقصود ہو وہ حرام ہے،اور جس میں یہ نہ ہو،بلکہ کسی امر مطلوب شرعی کی تحصیل مقصود ہو وہ جائز ہے۔اور جزئیات کا انطباق اس قاعدہ کلیہ پر محتاج ہے تبحر وتفقہ کا۔ (بیان القرآن:۳/۱۷۷۰) نیز دیکھیے: صفائی معاملات: ص۲۵ – ۳۳، حیلے کے استعمال کی بعض شرائط:امداد الفتاوی : ۴/۱۵۴،۱۵۳، حکم حیلہ</td>
</tr>
</table>

<table>
<tr><th colspan="2">مرابحہ مصرفیہ (Banking Murabaha)</th></tr>
<tr><td colspan="2">صورت مسئلہ: اس وقت غیر سودی بینکوں میں جو طریقہ سب سے زیادہ رائج ہے وہ مرابحہ مؤجلہ کا طریقہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس تاجر کو کوئی سامان خریدنا ہوتا ہے وہ بینک سے ادھار خرید لیتا ہے اور بینک اس وقت کے بازاری نرخ کے مقابلے میں کچھ زیادہ قیمت پر اسے بیچ دیتا ہے۔ چونکہ اس فروختگی میں بینک اپنی لاگت پر ایک طے شدہ شرح پر اپنا نفع رکھتا ہے اس لیے اسے مرابحہ کہا جاتا ہے اور چونکہ فروختگی ادھار ہوتی ہے اس لیے وہ مرابحہ مؤجلہ ہے۔ (غیر سودی بینکاری: ص ۴۷ ملخصا)</td></tr>
<tr><td></td><td>مرابحہ مؤجلہ (مصرفیہ) کے بارے میں ہمارا موقف مولانا طاسین رحمہ اللہ کی بعض آراء پر قائم نہیں، جیسا کہ غیر سودی بینکاری میں یہ تاثر لیا گیا ہے۔ (مرابحہ مؤجلہ: ص ۷۷ ملخصا)</td></tr>
<tr><td>مرابحہ کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تمویل کار فراہم کنندہ سے وہ چیز براہ راست خریدے اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے کلائنٹ کو مرابحہ کی بنیاد پر بیچ دے۔ کلائنٹ کو وکیل بنا دینا تاکہ وہ تمویل کار کی طرف سے اس چیز کو خرید لے مرابحہ کو مشتبہ بنا دیتا ہے اس وجہ سے بعض شریعہ بورڈز نے اس تکنیک کو ممنوع قرار دے دیا ہے سوائے ان صورتوں کے جہاں براہ راست خریداری ممکن نہ ہو، اس لیے جہاں تک ممکن ہو وکالت کے اس تصور سے گریز کرنا چاہیے۔ (اسلامی بینکاری کی بنیادیں: ص ۱۳۹)</td><td>مرابحہ مؤجلہ للآمر بالشراء کی حالیہ صورت حال میں یہاں قرض خواہ کو خریداری کروانے کا عمل بینک خود کرتا ہے نہ اس کا کوئی مستقل نمائندہ کرواتا ہے، بلکہ مبینہ خریداری خود قرض خواہ ہی کرتا ہے جسے محض کاغذی کاروائی کے ذریعے ایک معاہدے کے تحت بینک کا نمائندہ قرار دیا جاتا ہے۔ وہی قرض خواہ خریدتا ہے۔ وہی خریداری اور قبضہ کی بینک کو اطلاع کرتا ہے۔ پھر وہی قرض خواہ خریداری کا وکیل بینک بن کر خود خریدی ہوئی اپنے قبضے و تحویل میں موجود اسی چیز کی خریداری کا ایجاب کرتا ہے اور بینک اسی ایجاب کو قبول کرتا ہے۔ اس طرح وہ مال اس خریدار کی ملکیت میں منتقل فرض کر لیا جاتا ہے۔ مرابحہ کا یہ طریقہ سرے سے حیلہ ہی نہیں۔ بلکہ سودی قرضے کو مرابحہ کا عنوان دینے کی جسارت کے سوا کچھ نہیں۔ (مرابحہ مؤجلہ کی تمویلی حیثیت: ص ۱۰۵ – ۱۰۷ ملخصا)</td></tr>
<tr><th colspan="2">التزام تصدق</th></tr>
<tr><td colspan="2">صورت مسئلہ: مرابحہ ہو یا اجارہ گاہک اس بات کا التزام کرتا ہے کہ اگر میں اپنے واجبات وقت پر ادا نہ کروں تو میں اتنی رقم صدقہ</td></tr>
</table>

<table dir="rtl">
<tr><td colspan="2">کروں گا۔(غیر سودی بینکاری:ص۲۷۷) غیر سودی بینکوں میں اس پر دو شرطوں کے ساتھ عمل ہوتا ہے۔۱:ادائیگی میں تاخیر گاہک کے اعسار کی وجہ سے نہ ہو،ورنہ صدقہ لازم نہیں ہوگا۔۲:اس صدقہ سے بینک کو کسی قسم کا کوئی بھی نفع نہ ہو۔(مصدر سابق :ص۲۸۰،۲۸۱ملخصا)
پس منظر: شروع میں اس طرح کا التزام نہیں لیا جاتا تھا۔اس سے فائدہ اٹھاکر لوگوں نے بہت زیادہ تاخیر کرنی شروع کر دی۔جس سے بینک کا اور رقمیں رکھوانے والوں کا نقصان ہوا۔اب مبیع کی قیمت میں تو اضافہ کیا نہیں جاسکتا،عدالتوں کے حالات ناگفتہ بہ، گاہکوں میں امانت ودیانت ندارد،تو موجودہ زمینی حالات کے پیش نظر مدیون مماطل پر دباؤ ڈالنے کا کوئی اور طریقہ نہیں سوائے التزام تصدق کے۔(غیر سودی بینکاری: ص۲۷۷ – ۲۷۹ملخصا) (توثیق دین کے اصلی طریقے رہن، کفالت؟)</td></tr>
<tr><td>بہر کیف یہ مسئلہ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ میں اتفاق رائے سے طے ہو گیا تھا کہ اس مسئلہ میں ان علماء مالکیہ کا قول اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(غیر سودی بینکاری:ص۲۹۷)</td><td>یہ ایک تجاویزی رپورٹ تھی۔جس میں مالہ وماعلیہ کی گنجائش ہے۔(نام نہاد اسلامی بینکاری:ص۵۳۲،۵۳۳)
تاخیر سے ادائیگی کی صورت میں نقصان کے تدارک کے طور پر لی جانے والی رقم در حقیقت جرمانہ اور سود ہے۔(مروجہ اسلامی بینکاری کی چند خرابیاں:ص۱۵۱ملخصا)</td></tr>
<tr><td>یہ مسئلہ عالمی سطح پر مختلف ندوات اور مجامع میں اٹھا۔جن میں مالکی علماء بھی موجود تھے۔وہاں بھی علماء کی اکثریت نے اسے اختیار کیا۔(غیر سودی بینکاری:ص۲۹۷)
اس قسم کے التزام کا قضاءلازم ہونا تو بعض مالکی علماء کا قول ہے، لیکن دیانتاواجب ہونے کے سب قائل ہیں۔غیر سودی بینکوں کے التزام میں یہ صراحت نہیں ہوتی کہ یہ قضاء بھی لازم ہوگا،اور میرے علم میں کوئی ایساواقعہ نہیں کہ یہ معاملہ عدالت میں پہنچا ہو،لہذا اگر عدالت تک جائے بغیر اس پر عمل ہو رہا ہے تو کسی مذہب کے لحاظ سے بھی اس پر اشکال نہیں ہونا چاہیے۔
رہی یہ بات کہ صدقہ اختیاری ہوتا ہے اور اسے لازم کرکے جبری بنایا جارہا ہے،تو ہر نذر کا یہی حال ہوتا ہے کہ اس سے</td><td>۱: مالکیہ کا یہ قول ان کے ہاں بھی مرجوح ہے،اور ضعیف قول پر کبھی کبھار تو عمل ہو سکتا ہے، مستقل طور پر قانون نہیں بنایا جاسکتا۔
۲ – ۴: مالکیہ کے ہاں صدقے کی مقدار معین نہیں ہوتی، صدقہ کرنے والے کی رضا اور طیب نفس ہوتا ہے بغیر دائن کے اصرار اور دباؤ کے،اور مقرض کی جانب سے لزوم التزام کا ذکر نہیں برخلاف بینکوں کی صورت حال کے۔یہاں مقدار معین بھی ہے،طیب نفس بھی نہیں،لزوم التزام بھی ہے۔
۵:مالکیہ کے ہاں عقد کے بعد التزام ہے،جب کہ بینکنگ میں عقد کے اندر التزام ہے۔
۶:بینک کے التزام میں غیر مسلم اور حرام آمدنی والے کے لیے</td></tr>
</table>

کیا تفصیل ہے یہ معلوم نہ ہو سکی، ورنہ اس پر بھی تبصرہ کیا جاتا۔ (نام نہاد اسلامی بینکاری: ص ۵۱۹- ۵۲۳ ملخصا)	اختیاری عبادت واجب ہو جاتی ہے۔(مصدر سابق: ص ۲۹۷ ملخصا) (نذر ابتداء یکطرفہ التزام ہوتا ہے اور یہ التزام تصدق مقابل کے مطالبے پر اس کے دباؤ سے ہے) رہا مالکیہ کا قول لینا، سو ضرورت کی بنا پر دوسرے مذہب کا قول لیا جاتا ہے ۔ ہمارے بزرگوں نے ایسے کیا ہے۔ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے تو اس کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔(دیکھیے: غیر سودی بینکاری: ص ۲۹۰)
لزوم وفائے وعد / صفقہ فی صفقہ	
صورت مسئلہ: اسلامی بینکنگ میں کار فائنانسنگ میں یہ طریقہ رائج ہے کہ بینک گاڑی خود خریدتا ہے اور پھر گاہک کو ایک طویل مدت تک، مثلاً تین سے پانچ سال تک، کرائے پر دیدیتا ہے۔ کرایہ طے کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ اس مدت میں انھیں اپنی لاگت کچھ نفع کے ساتھ وصول ہو جائے۔ اور پھر وہ گاڑی معمولی قیمت پر گاہک کو بیچ دی جاتی ہے یا بلا قیمت گاہک کو دیدی جاتی ہے۔ اس طریق کار کی اجازت درج ذیل شرائط کے ساتھ ہے: ۱: کرایہ داری کی مدت کے دوران بینک مالک کی حیثیت سے گاڑی کی پوری ذمہ داری اٹھائے۔ یعنی اگر بغیر تعدی ہلاک ہو جائے تو نقصان بینک کا ہو گا۔ ۲: گاڑی کے بنیادی طور پر قابل انتفاع ہونے کے لیے جتنی مرمت کی ضرورت ہے اس کے اخراجات بینک کے ذمہ ہوں۔ ۳: عقد اجارہ میں یہ شرط نہ ہو کہ مدت پوری ہونے کے بعد یہ گاڑی مستاجر کو بیع یا ہبہ کر دی جائے گی۔ ۴: عقد کے شروع میں اجرت معلوم ہو اور آئندہ کے لیے اس میں کمی بیشی کا ایسا معیار مقرر ہو جو مفضی الی النزاع نہ ہو۔ (غیر سودی بینکاری: ص ۲۳۹، ۲۴۰ ملخصا)	
	اس میں حیلے کا پہلو ضرور ہے، لیکن ہر حیلہ ناجائز نہیں ہوتا، اگر اس کی شرائط کا لحاظ کیا جائے تو یہ حیلہ حد جواز میں آتا ہے۔ (غیر سودی بینکاری: ص ۲۴۱ ملخصا) (حیلہ چونکہ شدید ضرورت کے موقع پر ہوتا ہے، جیسے اوپر مرابحہ میں بیان ہوا، تو بینک اور کلائنٹ کو ایسی شدید ضرورت ہونے کی جانچ کا کیا ضابطہ اور طریقہ کار ہے؟)

صلب عقد میں شرط لگانا اور عقد سے ہٹ کر کوئی وعدہ کر لینا، ان دونوں میں فرق ہے۔(غیر سودی بینکاری: ص۲۴۲ ملخصا)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی بیع کے صلب عقد میں کوئی شرط نہ لگائی جائے، بلکہ اس عقد سے پہلے یا بعد میں اس کا ذکر وعدے کے طور پر کر لیا جائے تو اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی، اور نہ صفقۃ فی صفقۃ لازم آتا ہے، اور کبھی اس وعدے کو حاجت کی بنا پر لازم بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔(غیر سودی بینکاری: ص۲۵۴)

بعض معاملات میں حاجت کی وجہ سے یک طرفہ وعدے کو قضاءً بھی لازم کیا جا سکتا ہے۔ اور قضاء لازم ہونے کا کم از کم نتیجہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ وعدہ خلافی کی وجہ سے موعود لہ کو جو حقیقی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کی جائے۔(مصدر سابق : ص۱۵۸ ملخصا)

آجکل مالی معاملات میں بعض جگہ وعدے کو قضاء لازم کیے بغیر چارہ نہیں۔ اوران وعدوں کو لازم قرار دینے کی ضرورت بیع بالوفاء کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔(جس میں لزوم وعد کی فقہاء نے تصریح کی ہے)۔ اور یہ بات صرف بینک کے ساتھ خاص نہیں۔ مثلا بہت سے تاجر آرڈر ملنے پر مال منگواتے ہیں۔ آرڈر کے وقت ان کے پاس مبیع نہیں ہوتا، لہذا اس وقت صرف وعدہ بیع ہو سکتا ہے۔ اب تاجر نے سامان منگوایا اور خریدار نے خریدنے سے انکار کر دیا تو تاجر کو زبردست نقصان ہو سکتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ ضرورت بین الاقوامی تجارت میں پیش آتی ہے۔(غیر سودی بینکاری: ص۱۴۹ ملخصا)

بینکوں میں دو معاملے بالکل الگ الگ ہوتے ہیں۔ بعض اداروں

بیع بالوفاء میں عقد کے بعد وفاء کی شرط بالاتفاق جائز ہے، اور اس وعدے کا پورا کرنا دیانتا لازم ہے۔(نام نہاد اسلامی بینکاری : ص۴۶۱ ملخصا)

قبل العقد وعدے کے معتبر اور لازم ہونے کی تصریح فقہاء کے کلام میں نہیں ملتی، بلکہ اس کے خلاف کی تصریح ملتی ہے۔

ولو تواضعا قبل البيع ثم تبايعا بلا ذكر شرط جاز البيع عند ح رحمه الله إلا إذا تصادقا أنهما تبايعا على ذلك المواضعة . وكذا لو تواضعا الوفاء قبل البيع ثم عقدا بلا شرط الوفاء فالعقد جائز ولا عبرة للمواضعة السابقة . جامع الفصولين : ۲۳۷/۱ . (نام نہاد اسلامی بینکاری : ص۴۶۶ – ۴۶۸ ملخصا)، نیز دیکھیے: ص۴۸۱، ۴۸۹ – ۴۹۶

میں صرف اجارے کا معاہدہ ہوتا ہے اور اس وقت بیع یا ہبہ کا کوئی وعدہ بھی نہیں ہوتااور عملا اجارے کے آخر میں گاڑی مستاجر کو معمولی قیمت پر بیع یا ہبہ کر دی جاتی ہے۔اور بعض اداروں میں عقد اجارہ مکمل ہونے کے بعد مؤجر کی طرف سے بیع یاہبہ کاوعدہ ہوتاہے۔(مصدر سابق:ص۲۵۶ ملخصا)	
(جواز بعض صور صفقة فی صفقة: امداد الفتاوی : ۳/۶۳،۶۴)	
عقد اجارہ میں ایڈوانس سکورٹی ڈپازٹ کی شرط	
صورت مسئلہ: یہ ڈپازٹ عام طور پر اس لیے رکھوایا جاتا ہے کہ جب مستاجر وہ شے واپس کرے تو اگر اس کی تعدی سے اس میں کوئی نقصان ہوا ہو تو اس ڈپازٹ سے وصول کیا جاسکے۔یہ ڈپازٹ رہن نہیں ہوتا کیونکہ رہن بالدرک درست نہیں۔دوسرے مستاجر کی طرف سے اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ موجر اسے اپنے اموال کے ساتھ ملا کر اس کا ضمان قبول کرلے،جس کے نتیجے میں وہ قرض بن جاتا ہے۔(غیر سودی بینکاری: ص۲۷۱ ملخصا)	
اجارے میں یہ شرط متعارف ہوچکی ہے،لہذا تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔لیکن اس کی وجہ سے کرائے میں کمی کرنا درست نہیں۔البتہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ ڈپازٹ کل مدت اجارہ کے پیشگی کرائے کے طور پر وصول کیا جائے۔یعنی کرائے کے دو حصے ہوں۔ایک ماہانہ یا سالانہ۔اور دوسرا کل مدت اجارہ کے مقابل پیشگی واجب الادا۔ (غیر سودی بینکاری :ص۲۷۱ – ۲۷۵ ملخصا)	یہ ڈپازٹ رہن ہے یا قرض یا امانت۔اور تینوں صورتیں جائز نہیں۔رہن دو وجہ سے ناجائز ہے۔شے موجر امانت ہے،اور امانت کے عوض رہن نہیں ہوتا۔دوسرے رہن سے فائدہ نہیں لیا جاسکتا اور یہاں بینک اسے کاروبار میں لگاکر نفع اٹھاتا ہے۔ قرض تین وجوہ سے نہیں ہوسکتا۔۱: تاجیل کی وجہ سے،کیونکہ قرض کی تاجیل درست نہیں ہوتی۔۲: موجر کے لیے مفید ہونے کی وجہ سے خلاف مقتضی عقد اور مفسد ہے۔۳: قرض دے کر عقد اجارہ کا فائدہ حاصل کیا جارہاہے اور کل قرض جر نفعا فھو ربا۔ امانت کی تعریف تسلیط الغیر علی حفظ مالہ صریحا او دلالة اس پر صادق نہیں آتی۔اور امانت رکھنے والا جب چاہے واپس لے سکتا

	ہے، امین روک نہیں سکتا، جب کہ یہاں روکا جاتا ہے۔(نام نہاد اسلامی بینکاری: ص ۴۵۲ – ۴۵۴ ملخصا)
(قرض کی تاجیل لازم یا درست نہ ہونے کے شبہے کے جواب کے لیے دار الافتاء دار العلوم کراچی استفتاء بھیجا تھا۔حاصل جواب یہ تھا کہ قرض میں اجل اگرچہ شرعا لازم نہیں، لیکن چونکہ عاقدین دونوں باہمی رضامندی سے معاہدہ کر لیتے ہیں کہ یہ رقم عقد اجارہ کے اختتام پر واپس ہو گی اس لیے مستاجر وقت مقرر سے پہلے واپس نہیں لے سکتا۔فتوی # ۲۵۱۱/۳۱) لیکن اس جواب پر ایک شبہ یہ ہے کہ مستاجر کی طرف طیب نفس کا تحقق مشکل ہے، وہ تو اسے مجبوری میں قبول کرتا ہے کہ اس کے بغیر کرائے پر چیز ملتی نہیں۔دوسرا شبہ یہ ہے کہ مرغینانی اور شامی کی ترجیح و تائید کے مطابق قرض کی تاجیل درست یعنی جائز نہیں ہوتی ۔ اور ظاہر ہے کہ جو شرعا ناجائز ہو وہ عاقدین کی رضامندی سے جائز نہیں ہو جاتا۔اس قول کا جواب میں ذکر نہیں کیا گیا۔تیسرا شبہ یہ ہے کہ بہشتی زیور مدلل :ص ۳۶۹ مسئلہ ۴: "کسی سے کچھ روپیہ یا غلہ اس وعدہ پر قرض لیا کہ ایک مہینہ یا پندرہ دن کے بعد ہم ادا کر دیں گے اور اس نے منظور کر لیا تب بھی یہ مدت کا بیان کرنا لغو بلکہ ناجائز ہے۔اگر اس کو اس مدت سے پہلے ضرورت پڑے اور تم سے مانگے یا بے ضرورت ہی مانگے تو تم کو ابھی دینا پڑے گا"۔اس سے معلوم ہوا کہ باہمی رضامندی سے بھی قرض کی تاجیل لازم نہیں ہو جاتی) (عقد اجارہ میں ایڈوانس سیکورٹی ڈپازٹ کے قرض پر مشروط نفع ہونے کا شبہ دار الافتاء دار العلوم کراچی سوال بھیجا گیا۔جواب یہ	

تھا: ”مکان کرائے پر لیتے وقت جو ایڈوانس رقم لی جاتی ہے اس کی فقہی حیثیت ابتداء امانت او رانتہاء قرض کی ہے ،اور یہ سیکورٹی کی وجہ سے لی جاتی ہے تا کہ کوئی نقصان ہو تو اس سے وصول کیا جاسکے ،چونکہ یہ ابتداء قرض نہیں بلکہ امانت ہے اس لیے مکان کا حصول اس کے ساتھ مشروط نہیں ہے ،لہذا قرض کی بنیاد پر نفع کا شبہ کرنا اس میں درست نہیں۔ (التبویب: ۲۴۱۴ /۳۰)فتوی #۲۵۳۲ /۷۰ (لیکن اس جواب میں جو فرق بیان کیا گیا ہے فقہاء کے کلام سے اس کا کوئی کلی یا جزئی مأخذ مذکور نہیں)	
عقد اجارہ میں گاڑی کی مرمت کی شرط مستاجر پر	
صورت مسئلہ: کار فائنانسنگ میں درمیانی کرایہ داری کی مدت میں گاڑی کے بنیادی طور پر قابل انتفاع ہونے کے لیے جتنی مرمت درکار ہے وہ بینک کے ذمے ہوتی ہے۔اور جن معمولی کاموں کا تعلق گاڑی کے استعمال سے ہے مثلا پٹرول ڈالنا،ٹیوننگ کرانا،پلگ بدلنا،بیٹری تبدیل کرانا یہ کام مستاجر کے ذمے قرار دیے جاتے ہیں۔(غیر سودی بینکاری:ص۲۵۸،۲۵۷ملخصا)	
فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اجارے میں اس قسم کی شرائط کے جواز وعدم جواز میں عرف کو بڑا دخل ہے۔ہمارے عرف میں گاڑیوں کے اجارے میں حالات مختلف ہیں۔اگر چند گھنٹوں کے لیے گاڑی کرائے پر لی جائے تو پٹرول سمیت ہر کام مُوجر کے ذمے ہوتا ہے۔اگر چند روز کے لیے کرائے پر لی جائے تو پٹرول مستاجر کے ذمے ہوتا ہے۔اور اگر اس سے زیادہ طویل مدت کے لیے لی جائے تو سروس،ٹیوننگ بھی مستاجر کے ذمے ہو جاتی ہے۔نیز اجارہ طویلہ میں فقہاء بہت سے ایسی شرائط کو جائز قرار دیتے ہیں جو عام حالات میں جائز نہیں ہوتیں۔جیسے اراضی الحکر میں۔(غیر سودی بینکاری:ص۲۶۴ملخصا)	کار کے سب پرزوں کا کرایہ بینک وصول کررہا ہے ،انھیں قابل انتفاع بنانا بھی اس کی ذمہ داری ہے،اسکی ساری مرمت بھی اسی کے ذمے ہے۔اور مرمت کی شرط مستاجر پر عائد کرنا خلاف مقتضائے عقد ہونے کی وجہ سے مفسد ہے اور یہ صراحتا فقہاء کے کلام میں موجود ہے:(تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع) ...... ومرمة الدار أو مغارمها . (الدر مع الرد : ٦/٤٧،٤٦) اور جن چیزوں کا کرایہ مُوجِر نہیں لیتا اور شے مُوجَر سے انتفاع ان پر موقوف ہے تو وہ مستاجر کے ذمہ ہوں گی،اصلا بھی اور اگر شرط لگادی دی گئی ہو تب بھی۔(نام نہاد اسلامی بینکاری:ص

<table>
<tr><td></td><td>۵۰۳ – ۵۰۵ملخصا)</td></tr>
<tr><td colspan="2">قبضِ امانت کو قبضِ ضمان میں بدلنا</td></tr>
<tr><td colspan="2">صورت مسئلہ: فقہاء نے فرمایاہے کہ قبضِ امانت قبضِ ضمان کے لیے کافی نہیں۔بینک کا گاہک جب بینک کے وکیل کی حیثیت سے مبیع (مثلاً گاڑی) پر قبضہ کرتا ہے تو یہ قبضِ امانت ہے۔پھر جب وہ بینک سے خرید لیتاہے تو یہ قبضِ ضمان ہے۔لہذا پہلے سے کیا ہوا قبضہ کافی نہیں، بلکہ نیاقبضہ ضروری ہوناچاہیے !!! (غیر سودی بینکاری:ص۲۲۷ملخصا)</td></tr>
<tr><td>بہتر صورت یہ ہے کہ ادارہ کا آدمی خود مبیع پر قبضہ کرے اور دوبارہ پھر یہ مشتری جدید معاملہ کرکے بحیثیت مشتری قبضہ کرے۔لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ سابقہ قبضے پر اکتفا کرتا ہے توپھر کیا حکم ہے ؟(غیر سودی بینکاری:ص۲۳۰ملخصا)
ایسا کرنے (سابقہ قبضے پر اکتفاء) کی گنجائش ہے۔ابتداءً تو اس کاقبضہ وکالت منجانب مؤکل تھااور ثانیاًاس کاقبضہ بحیثیت مشتری تھا۔تجدید قبضہ شرط ضرور ہے،لیکن حکمی اور معنوی طور پر قبضہ ثانیہ پایا جاتا ہے،بوجہ تسلیم وتمکین کے۔ معنى القبض هو التمكين، والتخلي، وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة . (بدائع الصنائع : ١٤٨/٥) وأما تفسير التسليم، والقبض فالتسليم، والقبض عندنا هو التخلية، والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع، والمشتري قابضا له، وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع . (بدائع الصنائع : ٢٤٤/٥) (غیر سودی بینکاری: ص۲۳۱ – ۲۳۴ ملخصا)
(یعنی پہلے وکیل کے پاس جب تھاتوبینک کوتصرف کی قدرت کی</td><td>۱: قبض امانت کے قبض ضمان کا قائم مقام نہ ہوسکنے کی فقہاء نے تصریح فرمائی ہے :
بخلاف الشراء – فإن المودع إذا اشترى الوديعة من المودع، وهي ليست بحاضرة لا يصير قابضا بنفس الشراء، فإن القبض بحكم الشراء قبض ضمان، وقبض الأمانة دون قبض الضمان، والضعيف لا ينوب عن القوي . (المبسوط للسرخسي : ٥٨/١٢) (مرابحہ مؤجلہ:ص۱۲۲) نیز دیکھیے:مصدر سابق:ص۱۱۱ – ۱۱۶
۲: یہاں ایک ہی شخص کا وکیل اور اصیل ہونا بھی لازم آرہا ہے۔کلائنٹ پہلے بینک کاوکیل ہونے کی حیثیت سے خریدے گا ،پھر اصیل ہونے کی حیثیت سے خود لے گا ، اور بیع شراء میں ایک شخص وکیل اور اصیل نہیں ہوسکتا۔دیکھیے:مرابحہ مؤجلہ ص:
اور دیکھیے: نام نہاد اسلامی بینکاری: ص۵۴۱ – ۵۴۳</td></tr>
</table>

وجہ سے اس کا قبضہ تھا، پھر جب وکیل مشتری بن گیا تو اسے بھی تصرف کی قدرت حاصل ہو گئی اور بینک کا تصرف کا اختیار ختم ہو گیا تو گویا یہ حکماً نیا قبضہ ہو گیا)

عقد اجارہ میں اجرت کے اضافے کا طریقہ کار

صورتِ مسئلہ: بڑے تجارتی اداروں کو جو مشینری وغیرہ کرایہ پر دی جاتی ہے اس میں پہلی مدت کا کرایہ تو لگی بندھی رقم کی صورت میں متعین ہوتا ہے، لیکن بعد کی مدتوں میں اس میں ایک خاص تناسب سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اب اس اضافے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ شروع ہی میں ہر سال کی اجرت طے کر لی جائے۔ بعض اجاروں میں ایسے ہی ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہر سال اجرت میں دس یا پندرہ فی صد اضافہ کرنا طے کر لیا جائے۔ بڑے تجارتی اداروں کے بینک سے مشینری وغیرہ اجارے پر لینے کی صورت میں بنیادی طور پر یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن اس فرق کے ساتھ کہ پہلی مدت اجارہ کا تعین تو لگی بندھی رقم سے کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اجرت کو کسی معیار (Benchmark) سے منسلک کیا جاتا ہے۔ اور یہ درست ہے کہ یہ معیار وہ شرح سود یا شرح منافع ہوتی ہے جس پر بینک آپس میں لین دین کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی عقد میں یہ مذکور ہوتا ہے کہ اگر یہ شرح ابتدائی اجرت سے پندرہ فیصد زیادہ بڑھ گئی تو اضافہ پندرہ فیصد سے زیادہ نہیں ہو گا۔ (غیر سودی بینکاری: ص ۲۶۵، ۲۶۶ ملخصا)

اس طریق پر دو اعتراضات کیے گئے ہیں۔ ا: اجرت مجہول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بوقت عقد اضافے کا معیار متفق علیہ ہے، لہٰذا یہ جہالتِ اجرت مفسدِ عقد نہیں۔ طویل مدت کے عقد اجارہ میں آئندہ کی اجرت کو کسی خاص معیار سے منسلک کرنے کی فقہی نظیر اراضی محتکرہ ہیں۔ ان میں یہ بات طے ہوتی ہے کہ مستاجر ہمیشہ اجرت مثل ادا کرے گا۔ اور اجرت مثل بڑھے گی تو زمین کے کرائے میں بھی اضافہ ہو گا۔ (غیر سودی بینکاری: ص ۲۶۶، ۲۶۷ ملخصا)

اگر بوقت عقد مثلاً پندرہ فی صد اضافے کے ساتھ اجرت متعین کر کے مستاجر کو یہ بتایا جائے کہ اصل اجرت آپ کے ذمے یہ ہے اور مستاجر اس کو قبول کر لے، پھر بینک اپنے لیے کمی کی شرط لگا دے۔ جب کہ یہاں ایسے نہیں ہوتا۔ بلکہ اجرت بوقت عقد پندرہ فی صد اضافے کے بغیر فریقین کے درمیان متعین ہوتی ہے۔ اور بینک اس متعین اجرت پر اپنے لیے اضافے کی شرط لگا رہا ہے۔ اور یہ قانون اجارہ کے خلاف اور اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے مفسد عقد ہے۔ (نام نہاد اسلامی بینکاری: ص ۵۱۴ ملخصا)

اس کی یہ توجیہ بھی درست نہیں کہ اصل بیع ڈالر میں ہوتی ہے اس کی قیمت میں تبدیلی کا اثر روپے پر پڑتا ہے، کیونکہ حضرت

	کے کلام میں اس کا ذکر نہیں، دوسرے ڈالر کی قیمت میں کمی کی صورت بینک کی جانب سے کم وصولی کا سنا نہیں گیا۔(مصدر سابق: ص۵۱۵ ملخصا)
۲: یہ معیار شرح سود پر مبنی ہے۔اس میں شک نہیں کہ حلال منافع کے تعین کے لیے شرح سود کا استعمال پسندیدہ نہیں۔اس سے کم از کم یہ معاملہ ظاہری طور پر سودی قرضے کے مشابہ ہوجاتا ہے۔تاہم صرف اتنی بات سے کہ شرح سود کو نفع کا معیار بنایا گیا ہے کہ یہ عقد ناجائز نہیں ہوجاتا جب تک کہ اس کی دوسری شرائط پوری ہوں۔البتہ یہ بات درست ہے کہ اسلامی بینکوں کو جتنا جلدی ہوسکے اس طریقہ کار سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔(غیر سودی بینکاری: ص۲۶۸ – ۲۷۱ ملخصا) (قولہم :۔۔یہ عقد ناجائز نہیں ہوجاتا۔۔لیکن اس کے باوجود بینک کو شرح سود کو نفع کا معیار بنانے کی ضرورت کیا ہے؟)	

شریک کا اجیر ہونا

صورت مسئلہ: بینک کے تنخواہ دار ملازمین بینک کے اجیر تو پہلے سے ہیں۔اب اگر وہ کاروباری اکاؤنٹ بھی بینک میں کھولتے ہیں تو وہ شریک بھی بن گئے۔اجارہ اور شرکت کا اجتماع کیسا ہے؟

حضرت مفتی رشید احمد رحمہ اللہ نے ایک مفصل فتوی تحریر فرما دیا ہے جس میں مضبوط دلائل سے شریک کے اجیر بننے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔دیکھیے : احسن الفتاوی : ۷/۳۲۱ – ۳۲۸ (غیر سودی بینکاری: ص۳۴۸ حاشیہ)	بینک کے ایسے تنخواہ دار ملازمین کی دو حیثیتیں ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ یہ رب المال ہوں اور بینک کے مالکان یا شخص قانونی مضارب ہوں۔دوسرے یہ کہ مالکان بینک کے ساتھ شریک ہوں۔یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔رب المال کے کام کرنے کی شرط سے مضاربت فاسد ہوجاتی ہے۔(نام نہاد اسلامی بینکاری :ص۴۴۶، ۴۴۷ ملخصا) احسن الفتاوی کے اس مسئلے میں تسامح ہوا ہے۔ صحیح مسئلہ یہ ہے

	کہ شریک کو ملازم رکھنا جائز نہیں۔احسن الفتاوی میں اس بارے میں جو فقہی عبارات ہیں ان کا تعلق شرکتِ مِلک سے ہے،نہ کہ شرکتِ عقد سے ۔اور تعامل مسلَّم نہیں۔(نام نہاد اسلامی بینکاری: ص۴۵۰،۴۵۱ملخصا)
	نیز دیکھیے:امداد الاحکام: ۳/۳۶۸
اسلامی بینکوں کے لیے اسٹیٹ بینک کے جداگانہ قوانین	
	ہمارے علم کے مطابق اسٹیٹ بینک نے تاحال کوئی ایسی اسٹیٹ منٹ نہیں دی جس کے مطابق اسلامی بینکوں کو دوسرے اداروں کے ساتھ سودی لین دین سے مستثنیٰ کیا گیا ہو۔بلکہ حال ہی میں بعض ذرائع ابلاغ کے مطابق اسٹیٹ بینک نے اپنے سرکلر نمبر فلاں کے ذریعہ اسلامی بینکوں کو پابند بنایا ہے کہ وہ سودی بینکوں کو چھ سو ارب روپے سود پر دیں۔(ماہنامہ بینات: جمادی الاخری ۱۴۳۹ھ،ص۷۳ملخصا)
اسلامی بینک کا ماحول اور عملے کی وضع قطع	
اسلامی بینکوں میں کام کرنے والے افراد کا لباس اور وضع قطع بھی اسی طرح کی ہوتی ہے جس طرح کنونشل بینکوں میں کام کرنے والے افراد کی ہوتی ہے۔اسی طرح اسلامی بینکوں میں بھی بے پردہ خواتین کام کرتی ہیں۔بلاشبہ یہ دونوں توجہ طلب پہلو ہیں۔اسلامی بینکوں کو چاہیے کہ اس سلسلے میں ممکنہ جلدی کے ساتھ مثبت قدم اٹھائیں۔اگر کلائنٹس اس ان پر مناسب طریقے سے دباؤ سے ڈالیں تو اس کے بہت مفید اثرات سامنے آسکتے ہیں۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب تک مذکورہ بالا تبدیلی نہیں ہوجاتی تب تک انھیں اسلامی بینک کہنا جائز ہی	

	نہیں۔ انھیں اسلامی بینک کہنے کا مطلب صرف اور صرف اتنا ہے کہ ان میں ہونے والے معاملات شرعی اصولوں سے متصادم نہیں۔(اسلامی بینکاری ایک حقیقت پسندانہ جائزہ: ص ۶۳ ملخصا)
	(ایسی حالت میں علی الاطلاق اسلامی کہنے میں ایہامِ خلافِ واقع ہے ،کیونکہ مطلق سے کامل مراد ہوتا ہے ،لہذا اسلامی کے اطلاق کو معاملات سے صراحتا مقید کرنا چاہیے)

شریعہ ایڈوائزری سے متعلق مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی تجویز: اس نظام کی نگرانی کے لیے رقابہ شرعیہ کا شعبہ قائم کرنا گزیر ہے ۔اس کے بغیر شرعی حدود کی رعایت نہیں ہوسکے گی۔ یہ شعبہ جو ایسے ماہرین شریعت پر مشتمل ہو گا جن کو تدریس وافتاء کا کم از کم پندرہ سالہ تجربہ ہو،بینک کے یومیہ معاملات ومعاہدات کا فقہی نقطہ نظر سے عمیق جائزہ لے گا اور فاسد وباطل معاملات کا سد باب کرے گا۔(احسن الفتاوی : ۷/۱۲۴)

اسلامی بینکنگ کی عملی تفصیلات

اوپر جو کچھ مذکور ہوا اس کا تعلق اسلامی بینکنگ کے نظریاتی پہلو سے تھا۔ عملی پہلو سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے :

۱ – ہر اسلامی بینک میں ایک شریعہ ڈیپارٹمنٹ ہوتا ہے۔ جس میں متعدد متخصصین کام کرتے ہیں۔ یہ شعبہ بینک کے کاروباری معاملات کا جائزہ لیتا ہے۔ اور کوئی معاملہ اس شعبے سے اپرووَل حاصل کیے بغیر نہیں ہوتا۔ معاملہ ہوجانے کے بعد بھی یہ شعبہ جائزہ لیتا ہے۔ اگر خلاف شرع کوئی امر دیکھے تو حکم شرعی سے بینک کو آگاہ کرتا ہے۔

شریعہ گورنس ریگولیشن ۲۰۲۳ء(Shariah Governance Regulations 2023)منظور ہوا ہے۔
https://www.secp.gov.pk/document/consultation-paper-proposed-shariah-governance-regulations-2023/

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: شریعہ ایڈوائزر:اہل علم کے لیے لمحہ فکریہ،ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی کا مضمون
https://www.dailyislam.pk/epaper/daily/2023/november/18-11-2023/editorial/mag-01.html

۲ – بینک میں جو سرمایہ کاروبار کے لیے آتا ہے اسے ایک کامن پول میں رکھا جاتا ہے۔ اور مختلف بزنس میں انویسٹ کیا جاتا ہے۔ اور حاصل شدہ نفع کو طے شدہ شرح کے مطابق بینک اور کسٹمرز میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۳ – بینک نے اپنا کاروباری سرمایہ کس بزنس میں کتنا انویسٹ کرنا ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے بینک میں ایک مستقل شعبہ ہوتا ہے۔ اس کام کو پورٹ فولیو انیلسز (Portfolio analysis) کہتے ہیں۔ یہ شعبہ معاشی ماہرین کی ایک ٹیم پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ حالات کا جائزہ لے کر فیصلہ کرتے ہیں کہ اس وقت کس کاروبار میں انویسٹ کرنا مفید ہوگا؟ اگر کسی بینک کو نقصان ہوتا ہے تو اسٹیٹ بینک اس پر سخت کاروائی کرتا ہے۔ بسا اوقات بینک کو جرمانہ بھی کیا جاتا ہے۔ (یہ تینوں باتیں ایک بینک کے شریعہ ایڈوائزر سے معلوم ہوئی ہیں)
۴ – مثلا میزان بینک کی ۲۰۲۲ء کی سالانہ رپورٹ کے مطابق بینک کے کل اثاثہ جات کا تقریبا 49.7 فیصد حصہ انویسٹمنٹس کا ہے۔ اور انویسٹمنٹنس کا تقریبا 71.5 فیصد حصہ گورنمنٹ سیکورٹیز ہے۔ اور گورنمنٹ سیکورٹیز میں تقریبا 96 فیصد حصہ گورنمنٹ آف پاکستان کے اجارہ صکوک ہیں۔ اور 1 فیصد سے بھی کم لسٹڈ کمپنیوں کے شئیرز ہیں۔ یہ رپورٹ بینک کی ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔ سمجھیے : ص ۱۷۱ – ۱۷۵ اور کل اثاثہ جات کا تقریبا 38.6 فیصد حصہ اسلامک فائنانسنگ اور اس کے متعلقہ اثاثہ جات ہیں۔ ان میں تقریبا 1.97 فیصد مرابحہ، 6.99 فیصد اجارہ اور 26.7 فیصد شرکت متناقصہ ہے۔ (عزیزم عاطف ابراہیم سلمہ اللہ نے رپورٹ پڑھ کر یہ تفصیل بتائی)
۵ – صکوک بانڈز کے متبادل کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے بائیسویں فقہی سیمینار منعقد ۱۴۳۴ھ / ۲۰۱۳ء میں صکوک کا موضوع زیر بحث آیا ہے۔ شرکاء نے اس مسئلے پر مزید غور کی ضرورت محسوس کی اور یہ مسئلہ مستقبل کے لیے موقوف رکھا اور کوئی تجویز نہیں دی۔ دیکھیے اکیڈمی کی ویب سائٹ پر بائیسویں سیمینار کی رپورٹ۔ صکوک کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے : اسلامی صکوک : تعارف و تحفظات، ڈاکٹر مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ۔ اجارہ صکوک میں حکومت کی طرف سے ملنے والا کرایہ کائبور کے ریٹ کے مطابق ہوتا ہے۔ (معلوم نہیں یہاں بھی کائبور کے ریٹ کو معیار کیوں بنایا گیا، جس سے معاملہ بظاہر سودی قرض کے مشابہ ہو جاتا ہے!)
۶ – اسٹیٹ بینک آف پاکستان (SBP) میں ایک شعبہ شریعہ ایڈوائزری کمیٹی (SAC) کا ہے۔ اس کا کام اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اسلامی بینکوں کے لیے اسٹیٹ بینک کی جانب سے قواعد وضوابط کا کتابچہ "شریعہ گورنس فریم ورک فار اسلامک بینکنگ انسٹیٹیوشنز" کے نام سے ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔
۷ – بینک کے کام کے دو رخ ہیں۔ ایک بینک اور کسٹمرز کے باہمی معاہدات کا رخ۔ اور دوسرا بینک کے اپنے کاروباری معاہدات کا رخ۔ بینک کے ان دونوں طرح کے معاہدات کے کاغذات لے کر انھیں پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ فی الواقع کیا اور کیسے ہو رہا ہے اس کی تفصیل بھی سامنے آجائے۔ بلکہ بینک کو یہ دستاویزات ویب سائٹ پر اپ لوڈ کر دینی چاہییں تاکہ ہر ایک کی رسائی

میں آجائیں، جیسے سالانہ رپورٹ پبلک کی جاتی ہے۔
۸ – ایک بات میں شروع سے کہتا چلا آرہاہوں کہ موجودہ جو طریقے رائج ہیں مرابحہ یا اجارہ، ان کا بہت بڑے پیمانے پر شرعی معاشی مقاصد کو پورا کرنے میں بہت کم حصہ ہو گا جب تک کہ بینکنگ کا پورا نظام شرکت و مضاربت پر نہ آئے۔اس کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ حالیہ عالمی معاشی بحران (۲۰۰۸ء) میں غیر سودی بینک سب سے کم متاثر ہوئے۔(اسلامی بینکاری: ص۸۶ ملخصا) غیر سودی بینکاری کے لیے جو طریقے شروع کیے گئے ہیں ان میں مثالی طریقہ شرکت و مضاربت کا ہے۔اسی سے اسلامی معیشت کے اعلی مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں۔ بینکنگ کے دوسرے متبادل طریقے مثلا مرابحہ اور اجارہ وغیرہ بھی اگرچہ سود سے پاک اور شرعا جائز ہیں لیکن اگر شرکت و مضاربت کے بجائے ان ہی پر انحصار کر لیا گیا یا ضرورت سے زیادہ استعمال کیا گیا تو شرعی جواز کے باوجود ان سے بہت سی ان معاشی خرابیوں کا علاج نہ ہو سکے گا جو نظام سرمایہ داری کی پیداوار ہیں۔اور جن سے جان چھڑائے بغیر عمومی خوش حالی کا خواب پورا نہیں ہو سکتا۔(اسلامی معیشت کی خصوصیات اور نظام سرمایہ داری: ص۸۱، ۸۲ ملخصا، حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ) سود کا صحیح اسلامی متبادل شرکت اور مضاربت کا طریقہ ہے، جو سود سے بدرجہا اچھے نتائج کا حامل ہے۔یہ تمویل کا نہایت مثالی عادلانہ منصفانہ طریقہ ہے۔ جس کے تقسیم دولت پر بہت اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔اس سے بینکنگ کا یہ تصور بھی ختم ہو سکتا ہے کہ بینک کاروبار کے عمل سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہوئے صرف سرمایہ فراہم کرنے کے لیے واسطہ بنتا ہے۔شرکت اور مضاربت کا نظام جاری ہونے کی صورت میں بینک کا نام خواہ بینک ہی رہے، لیکن بینک کی یہ حیثیت ختم ہو جائے گی۔اب بینک کا باقاعدہ کاروبار میں عمل دخل ہو گا۔(اسلام اور جدید معیشت و تجارت: ص۱۶۷)
۹ – اسلامی بینکنگ میں زیادہ تر ایوفی کے معیارات کو بنیاد بنایا گیا ہے۔یہ المعاییر الشرعیۃ کے نام سے مطبوع ہیں۔
۱۰ – اس وقت اسلامی بینکاری کے بارے میں عام طور پر دو متضاد رویے پائے جاتے ہیں۔ایک رویہ تو ان لوگوں کا ہے جو ان بینکوں سے وابستہ ہیں۔وہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کا کام سو فیصد معیاری ہے۔ہر اعتبار سے مثالی ہے اور مکمل اسلامی طریق کار کے مطابق بینکاری کا سارا کام ہو رہا ہے۔کم از کم ان بینکوں کے شائع کردہ پبلسٹی کے مواد سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔دوسری طرف کچھ ناقدین کا رویہ ہے۔جو اسلامی بینکاری کے سارے کام کو مکمل فراڈ قرار دیتے ہیں۔جو اسلامی بینکاری کی اس ساری کوشش کو ایک ڈھکوسلہ سمجھتے ہیں۔یہ دونوں رویے غلط ہیں۔نہ موجودہ اسلامی بینکاری سو فیصد معیاری ہے اور نہ بالکل ڈھکوسلہ ہے۔اس کو احکام شریعت کے مطابق سو فیصد معیاری ہونے میں وقت لگے گا۔یہ کام ایک دو دن کا نہیں ہے۔اس کام میں سالہا سال لگیں گے۔کتنے عشرے لگیں گے اللہ بہتر جانتا ہے۔لیکن یہ کام مختلف مرحلوں اور مختلف مدارج سے گزر کر ہی اپنی مثالی اور مکمل شکل میں سامنے

لایا جاسکے گا بشر طیکہ حکومتوں کی طرف سے رکاوٹیں نہ ہوں، بشر طیکہ بیورو کریسی کی طرف سے رویہ مخالفانہ نہ ہو، بشر طیکہ اسٹیٹ بینک کا رویہ دوستانہ ہو، بشر طیکہ تاجر برادری بلاسود بینکاری کو اختیار کرنا چاہتی ہو۔ یہ تمام شرائط بڑی اہم ہیں۔ ان سب کو نظر انداز کر کے یہ توقع کرنا کہ اسلامی بینکاری ایک جنبش قلم سے قائم ہو جائے گی ایک بڑی افسوسناک سادہ لوحی ہے۔

سب سے پہلے تاجر اور کاروباری برادری کو احکام شریعت پر عملدرامد کے لیے آمادہ کرنا ضروری ہے۔ جب تک وہ آمادہ نہیں ہوں گے بلاسودی تجارت اور بینکاری کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ان کو آمادہ کرنے اور قائل کرنے کا کام علمائے کرام کا ہے۔ یہ کام حکومتوں یا اسٹیٹ بینک کا نہیں ہے۔ حکومتوں کا کام فیصلہ کرنا اور سہولتیں فراہم کرنا ہے۔ اسٹیٹ بینک کا کام قواعد وضوابط فراہم کرنا اور نگرانی کرنا ہے۔ اور وہ سہولتیں پیدا کرنا ہے جو وہی پیدا کر سکتا ہے۔ موجودہ اسلامی بینکاری کے بارے میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اسلام کے مثالی ہدف اور منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ کتنا مرحلہ سفر کا طے ہو چکا ہے اور کتنا باقی ہے اس کے بارے میں اندازے متفاوت ہوسکتے ہیں۔ آراء مختلف ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس سے کوئی صاحب بصیرت اختلاف نہیں کر سکتا کہ ابھی ہمیں بہت آگے جانا ہے۔ (محاضرات معیشت و تجارت: ص۳۷۸، ۳۷۹، ڈاکٹر محمود غازی رحمہ اللہ)

۱۱ – حضرت مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ سے سوال کیا گیا: آنجناب کے بیان سے واضح ہوا کہ بینکاری کے مروجہ اسلامی نظام پر بعض حضرات نے جو اشکالات کیے ہیں ان میں سے بعض اعتراضات قابل غور ہیں۔ ان میں ارباب فتوی کو کیا فتوی جاری کرنا چاہیے؟

فرمایا: جو قابل نظر مسائل تھے وہ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیے اور جو کچھ ہماری رائے تھی وہ بھی آپ کے سامنے پیش کر دی، لیکن آپ سب حضرات صاحب فتوی ہیں تو ان پر غور فرمائیں۔ جو رائے قائم ہو لیکن تمام متعلقہ مواد کو سامنے رکھ کر غور و فکر ہو۔ جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو مد نظر رکھیں۔ اللہ تعالی سے دعا کریں۔ جو اللہ تعالی دل میں ڈال دیں اسی کے مطابق عمل کریں۔ (اسلامی بینکاری: ص۸۹)

۱۲ – (کنونشنل بینک کو اپنے کام میں نقصان نہیں ہوتا اور سرمایہ مخصوص مقدار اور رفتار سے ملتا رہتا ہے۔ جب کہ واقعی تجارت اور کاروبار میں کبھی نفع ہوتا ہے، کبھی نقصان۔ کبھی کم، کبھی زیادہ۔ اسلامی بینک کے معاملے میں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ جو بزنس ماڈل تیار ہو اس کا ثمرہ اور نتیجہ کنونشنل بینک سے کس حد تک مختلف ہے؟ اس کے فوائد کسے کس حد تک پہنچ رہے ہیں؟ اور اسلامی بینک بزنس رسک لینے پر کس حد تک عمل پیرا ہے؟ نفع اور نقصان میں کس قدر تغیر ہے؟ کاروبار حقیقی نوعیت کا ہے یا نہیں؟ اسلامی بینک کے عقود کے اجزا انفرادی طور پر اگر حد جواز میں آتے ہوں، لیکن ان کے اجتماع کا مجموعی اثر یہ ہو کہ نقصان کا خطرہ نہ ہونے کے برابر ہو اور طے شدہ نفع لگاتار ملتا رہے تو ایسی صورت میں اسلامی بینک کے کاروبار کو احتیال للربا کی آمیزش سے خالی کہنا دشوار معلوم ہوتا ہے!! اگر بینک صرف تمویلی ادارہ رہنے پر ہی مصر ہے، باقاعدہ کاروباری ادارہ بننا ہی نہیں چاہتا یا بن سکتا ہی نہیں تو پھر

اسے کس حد تک اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے؟ اور اس کے لیے کس حد تک گنجائشیں نکالی جاسکتی ہیں؟ یا کنونشنل بینک پر انا کاروبار تو جوں کا توں رکھتا ہے لیکن ایک اسلامی ونڈو بھی کھول دیتا ہے تا کہ جو اس طرف سے آنا چاہے آجائے اور بینک کا سرمایہ مزید بڑھا جائے! شرکت اور مضاربت کو بینک میں صحیح معنی میں رائج کرنے کا مطلب یہی ہے کہ بینک کو صرف تمویلی ادارے کے بجائے کاروباری ادارہ بننا پڑے گا! فتفکر و تدبر و تشکر!)
۱۳ – اس موضوع کے قریب کرپٹو کرنسی کا موضوع بھی ہے۔اس بارے میں جو مضامین فی الحال بندہ کے سامنے ہیں ان کے نام لکھے دیتاہوں تا کہ استفادہ کیا جاسکے۔ کرپٹو کرنسی کے حامیوں کا طریقہ واردات، اسلامک کرپٹو کرنسی: ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی، کرپٹو کرنسی اور آراء مجوزین: مفتی محمد اویس پراچہ

آخری اضافہ: ۱۳ رجب ۱۴۴۵ھ / ۲۵ جنوری ۲۰۲۴ء، نظر رابع